# زکوٰۃ: الہامی معاشی نظام اور شیطانی سودی نظام کا تقابلی جائزہ

از: پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر صدیقی
03007900791

معیشت انسانی معاشرے میں کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ معاشرہ بنیادی طور پر متمول/امیر/صاحب نصاب (Haves) اور غریب مسکین/تنگ داماں (Have nots) پر مشتمل ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ نے انسانی حیات کو امتحان اور آزمائش کا نام دیا ہے۔ سورہ ملک میں ارشاد فرمایا ہم نے موت اور حیات کو تخلیق کیا تاکہ تمہیں آزمائیں کہ تم میں سے اچھے عمل کون کرتا ہے۔ اچھے اعمال کے دو میدان ہیں ایک حقوق اللہ (نماز، روزہ، حج، ذکر اذکار، زکوٰۃ) حقوق العباد (انفرادی و اجتماعی اصول معاشرت)۔ زکوٰۃ اسلام کا تیسرا بڑا رکن ہے۔ نماز، روزہ کے بعد زکوٰۃ کی فرضیت پر بھی امت کا اجماع ہے۔ رب تعالیٰ دولت مندوں کو حکم دیتا ہے کہ اپنے مال میں سے جو در اصل میرا ہی دیا ہوا ہے میرے ان بندوں کو دو جو تہی دست اور معاشی طور پر کمزور ہیں۔ مقام فکر ہے کہ رب تعالیٰ مال دیتا بھی خود ہے پھر اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ اس میں سے دو۔ یعنی دینے والا اور عطا کرنے والا فرماتا ہے کہ اے بندے اب تو اپنے ہاتھ سے آگے ضرورت مندوں کو دے۔ سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیات میں اپنے بندوں کی صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے "جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں، اور نماز کو قائم کرتے ہیں، اور ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے ہیں (2 : 3)"

مال خرچ کرنے میں دو بڑے درجے بتا دیئے۔ ایک صدقات واجبہ (زکوٰۃ، صدقہ فطر) دوسرا صدقات نافلہ (خیرات، انفاق فی سبیل اللہ مثلاً جہاد، فراہمی آب و طعام، علاج معالجہ، وغیرہ وغیرہ)۔ زکوٰۃ ہر صاحب نصاب پر اڑھائی فیصد کے حساب سے ہر سال دینا فرض ہے۔ اسلام ارتکاز دولت کا ناقد ہے اور اس کے برعکس گردش دولت کا نفاذ چاہتا ہے۔ چند ہاتھوں میں دولت کا جمع ہونا معاشرے میں تمیز بندہ و آقا کو فروغ دیتا ہے۔ فلاحی معاشرہ جو اسلام کا مطمع نظر ہے ارتعاشِ دولت ہی سے وقوع پذیر ہو سکتا ہے۔ اگر ارتکاز دولت کو فروغ دیا جائے تو معاشرے کا استحصال امیر کو امیر تر اور غریب کو غریب تر بناتا چلا جائے گا۔ طبقاتی تفاوت کو کم کرنے کے لئے رب تعالیٰ نے غلط نظام کو اپنی لاریب کتاب میں قرآن میں زکوٰۃ کا ذکر دس مقامات (البقرہ 2: 215، 267، 271 - 274، الانعام 6: 141، التوبہ 9: 60، النور 24: 56، الفرقان 25: 67، الروم 30: 39، الدھر 76: 8، 9) جبکہ انفاق فی سبیل اللہ (اللہ کے راستے میں خرچ کرنا) اکتالیس مرتبہ ذکر فرمایا (البقرہ 2: 3، 177، 195، 215، 219، 245، 254، 261-262، 265، 267، 271، 272، 274، ~~الفرقان~~ آل عمران 3: 92، 134، النساء 4: 39، الانفال 8: 3، 60، التوبہ 9: 53، 54، الروم 30: 39، السجدۃ 32: 16، الاحزاب 33: 35، سبا 34: 39، فاطر 35: 29، 30، یٰسین 36: 47، الشوریٰ 42: 38، محمد 47: 38، الحدید 57: 7، 10، 11، 18، المنافقون 63: 10، التغابن 64: 17، الطلاق 65: 6، 7، المزمل 73: 2، اللیل 92: 5، 18)

درحقیقت زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم اسلامی حکومت کے دائرہ اختیار میں ہوتی ہے اگر اسلامی حکومت قائم نہیں اور بیت المال کا نظم موجود نہیں تو بہت سی قباحتیں در آتی ہیں جیسا کہ فی زمانہ زکوٰۃ کی فرضیت کے علاوہ حکومت متعدد اقسام کے ٹیکس وصول کرتی ہے تاکہ نظام حکومت چلا سکے۔ زکوٰۃ اور ٹیکس کی وجہ سے عوام پر دوہرا بوجھ ڈال دیا گیا ہے۔ عہد نبوی اور خلفائے راشدین کے دور میں متمول مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کی جاتی اور غیر مسلموں سے خراج اور جزیہ اُس زمانے کے متمدن ملک فارس میں زمینداروں سے جو مال وصول کیا جاتا اُس کو خراگ کہتے تھے جو ترمیم زبان سے خراج بن گیا۔ خراگ کے علاوہ دوسرے ٹیکسوں کو گزیت کہتے تھے۔ جزیہ کا لفظ اسی سے معرب ہے۔ گویا غیر مسلموں پر تو وہی ٹیکس بحال رکھے گئے مگر مسلمانوں سے یہ عام ٹیکس ساقط کر دیئے گئے اور انکی بجائے زکوٰۃ عائد کی گئی۔

**زکوٰۃ کا نصاب**: زکوٰۃ کی شرح منزل من اللہ ہے اس میں کمی بیشی کا اختیار رسول اکرمؐ کو بھی نہیں تھا ورنہ رسالت مآب عصری تقاضوں کے مطابق رد و بدل فرماتے مگر عہد رسالت میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ آپؐ نے اس ضمن میں صحابہ سے مشورہ کیا ہو حالانکہ بہت سے تدبیری امور میں آپؐ مشورہ فرماتے تھے۔ لہٰذا فرمان باری تعالیٰ من وعن موجود اور محکم ہے۔ آپؐ نے شرح زکوٰۃ کی جو تعیین فرمائی وہ اپنی مرضی سے اور نہ صحابہ کے مشورے سے فرمائی اور اسکی مثال ایسی ہے جیسے قرآن میں نماز ادا کرنے کا حکم تو سینکڑوں بار آیا ہے لیکن جزئیات کا ذکر کہیں نہیں۔ یہی حال مناسک حج کا ہے اور یہ سب امور منزل من اللہ وحی کے محتاج ہیں اور زکوٰۃ کے بارے میں آپؐ کی خصوصی احتیاط یہ بھی تھی کہ آپؐ یہ تفاصیل تحریری طور پر صوبوں کے گورنروں کو ارسال فرماتے تھے۔

محل نصاب اشیاء درج ذیل آیات قرآنی سے ثابت ہیں

۱. نقدی، سونا چاندی وغیرہ (وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ) (9 : 35)۔
اور جو لوگ سونے اور چاندی وغیرہ کا ذخیرہ کرتے ہیں

۲. زرعی پیداوار یعنی غلہ اور پھلوں کی زکوٰۃ (وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ) (6:141)
اور جس دن فصل کاٹو تو اس میں سے اللہ کا حق ادا کرو

۳. باقی ذرائع آمدنی بشمول مویشیوں کی زکوٰۃ اور اموال صنعت و تجارت کی زکوٰۃ وغیرہ (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ) (2 : 267)
اے ایمان والو! جو بھی پاکیزہ مال تم کماتے ہو، اس میں سے خرچ کرو

۴. زمینوں اور معدنیات کے لئے مندرجہ بالا آیات کا اگلا حصہ میں ذکر ہے (وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ) (2 : 267)
اور ان چیزوں میں سے بھی خرچ کرو جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہیں

زیر نظر آیت دفن شدہ معدنیات و خزائن کے متعلق ہے۔ نباتاتی اور زرعی پیداوار بھی اسی ذیل میں شامل ہے (تیسیر القرآن)

عرب میں یہ پہلا موقع تھا کہ ملک کے تمام شہریوں پر جو ایک مقررہ مقدار سے زائد مال رکھتے تھے باقاعدہ

زکوٰۃ عائد کی گئی تھی۔ چنانچہ زرعی پیداوار، تعداد مویشیاں، اموالِ تجارت، معدنیات، سونے چاندی کے ذخائر سے ۲½ فی صدی، ۵ فیصدی، ۱۰ فیصدی اور ۲۰ فیصدی کی مختلف شرحوں کے مطابق وصول کی جاتی اور ایک مرکز پر اکٹھی کر کے منظم طریقے سے خرچ کی جاتی۔ اس منفرد نظام کی بدولت حضور ﷺ کے پاس ملک کے اطراف سے اتنی دولت سمٹ آتی اور آپ ﷺ کے ہاتھوں خرچ ہوتی تھی جو عرب کے لوگوں نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ بقول حالی

وہ آقا جس کی رحمت کی فراوانی سے عالم میں
جہانِ اسود و احمر نے یکساں پرورش پائی

## زکوٰۃ کے حقدار

: مال کی طرف رغبت انسانی فطرت ہے۔ مدینہ میں الہامی نظامِ معیشت کی برکت اور امین و صادق کے لقب سے ملقب سرورِ عالم ﷺ کی تقسیم کی برکت سے عام لوگوں کی خوشحالی دیکھ کر منافقین دل ہی دل میں کڑھنے لگے اور اعتراض کرنے لگے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ کسی کو دیا جا رہا ہے اور کسی کو محروم رکھا جا رہا ہے۔ چنانچہ فرضی صدقہ یعنی زکوٰۃ کی تقسیم کی مدات رب تعالیٰ نے خود ہی مقرر فرما دیں تاکہ تقسیم میں اعتراض کی گنجائش ہی نہ رہے اور یہ کل آٹھ مدات ہیں جو سورۃ توبہ میں مذکور ہیں

**1-2. فقیر اور مسکین:** فقیر اور مسکین میں فرق کے متعلق درج ذیل حدیث قولِ فیصل کی حیثیت رکھتی ہے "سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مسکین وہ نہیں جو ایک یا دو لقموں کے لئے لوگوں کے پاس چکر لگائے کہ ایک یا دو کھجوریں دے کر لوٹا دیا جائے بلکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا مال نہ ہو جو اسے بے نیاز کر دے نہ اس کا حال کسی کو معلوم ہوتا ہے کہ اسے صدقہ دیا جائے، نہ وہ لوگوں سے کھڑا ہو کر سوال کرتا ہے (بخاری، کتاب الزکوٰۃ، مسلم، کتاب الزکوٰۃ)

فقیر سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اپنی حیثیت کے لئے دوسرے کی مدد کا محتاج ہو۔ یہ لفظ تمام حاجت مندوں کے لئے عام ہے خواہ وہ جسمانی نقص یا بڑھاپے کی وجہ سے مستقل طور پر محتاجِ اعانت ہو گئے ہوں یا کسی عارضی سبب سے سر دست محتاج ہوں اور اگر انہیں سہارا مل جائے تو آگے چل کر خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہوں، مثلاً یتیم بچے، بیوہ عورتیں، بے روزگار لوگ اور وہ لوگ جو وقتی حوادث کا شکار ہو گئے ہوں (تفہیم القرآن)

گویا احتیاج کے لحاظ سے فقیر اور مسکین میں کوئی فرق نہیں۔ ان میں اصل فرق یہ ہے کہ فقیر سوال کرتا ہوتا ہے اور مسکین وہ ضرورت کے باوجود سوال سے گریزاں رہے اور قانع رہے۔ جسے ہمارے ہاں سفید پوش کہا جاتا ہے۔ شاعر نے یوں تصویر کشی کی ہے

جنہوں نے اپنے کفن سے بدن چھپائے ہیں
ہمارے شہر میں ایسے بھی کئی گھرانے ہیں

ایک دوسرا شاعر کے بقول

میں صاحبِ عزت ہوں میرے کفن کو مت کھولو
کہ دستار سے اپنی ہی کفن میں نے سیا ہے

**3. عاملین (صدقات اکٹھا کرنے والے)**

زکوٰۃ وصول کرنے والے، تقسیم کرنے والے اور اس کا حساب کتاب رکھنے والا پورا عملہ اموالِ زکوٰۃ سے معاوضہ یا تنخواہ لینے کا حقدار ہے۔ اس عملہ میں سے

اگر کوئی شخص خود مالدار ہو تو بھی معاوضہ یا تنخواہ کا حقدار ہے اور اسے یہ معاوضہ لے لینا چاہیے خواہ بعد میں صدقہ کر دے۔ ضمناً یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ زکوٰۃ کی فراہمی اور تقسیم اسلامی حکومت کا فریضہ ہے اور انفرادی طور پر زکوٰۃ صرف اس صورت میں ادا کرنا چاہیے جب ایسا نظام زکوٰۃ قائم نہ ہو۔

4. **تالیف قلب کے حقدار**: تالیف قلب کے معنی ہیں دل موہنا، دل کو اپنی طرف راغب کرنا۔ مقصود یہ ہے کہ ایسے کافر جو مخالفت اسلام میں پیش پیش ہوں مال دے کر ان کی عداوت میں کمی کی جا سکے۔ یا اگر یہ توقع ہو کہ مال کے لالچ میں وہ اپنی حرکتیں چھوڑ کر اسلام کی طرف مائل ہو جائیں گے یا جو لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہوں اور ابھی اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل نہ ہوں اور انہیں معاشی حالت بہتر ہونے تک مستقل وظیفہ بھی دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ سیدنا علیؓ نے یمن سے جو سونا حضورؐ کی خدمت میں بھیجا تھا وہ آپؐ نے ایسے ہی کافروں میں تقسیم کیا تھا۔ سیدنا عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں اس مد کو حذف کر دیا تھا کہ اب اسلام غالب آچکا ہے اور اب اس مد کی ضرورت نہیں رہی۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اب یہ مد ساقط تصور کی جانی چاہیے جیسا کہ حضرات ابوبکرؓ اور عمرؓ کے عمل سے ثابت ہے۔ جبکہ امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ فاسق مسلمانوں کو تالیف قلب کے لئے زکوٰۃ کی مد سے دیا جا سکتا ہے مگر کفار کو نہیں۔ بہرحال مجتہدین امت ان دونوں آراء میں سے حالات کے پیش نظر گنجائش نکالنے کی پوزیشن میں ہیں۔ ابو سفیان مؤلفۃ القلوب میں شامل تھے آپؐ نے انکو ۱۰۰ اونٹ اور ۴۰ اوقیہ چاندی دی تھی (اسد الغابہ: ۵/۱۴۴)

5. **گردنیں آزاد کروانا / اجتماعی غلامی سے نجات**: عرب معاشرے میں غلاموں کی خرید و فروخت کا رواج تھا۔ زکوٰۃ کی مد سے غلاموں کی آزادی میں صرف کیا جا سکتا۔ اسکی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ کسی غلام کو خرید کر آزاد کر دیا جائے۔ دوسری کسی مالک سے معاہدہ کیا ہو کہ اگر میں اتنی رقم تمہیں ادا کر دوں تو تم مجھے آزاد کر دو، اسے آزادی کی قیمت ادا کرنے میں مدد دی جائے۔ موجودہ زمانہ انفرادی غلامی کا دور گزر چکا اور اسکی بجائے اجتماعی غلامی رائج ہو گئی ہے۔ مالدار ممالک نے تنگ دست ممالک کو معاشی طور پر اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ برصغیر ایک عرصہ تک برطانوی سامراج کے زیر تسلط رہا ہے۔ انگریز سے ۱۹۴۷ء میں آزادی تو حاصل کر لی مگر حقیقی آزادی ابھی بھی حاصل نہیں ہو سکی کیونکہ عالمی بینک اور عالمی مالیاتی فنڈ (IMF) کے قرضوں کے حصول کو حکومتیں اپنی کارکردگی گردانتی ہیں اور ملک سود در سود کے جنگل میں جکڑا ہوا ہے۔ معاشی غلامی کا قلادہ ابھی تک ہماری گردن میں ہے۔ اس مضمون میں آگے چل کر ہم سودی چالبازیوں پر تفصیل سے بات کریں گے۔

6. **قرضہ کی ادائیگی**: یہاں قرض سے مراد گھریلو ضروریات کے قرضے ہیں تجارتی اور کاروباری قرضے نہیں اور قرضدار سے مراد ایسا مقروض ہے کہ اگر اس کے مال سے پورا قرض ادا کر دیا جائے تو اس کے پاس نقد نصاب سے کم مال رہتا ہو۔ مقروض خواہ برسر روزگار ہو یا بے روزگار ہو، خواہ وہ فقیر ہو یا غنی ہو اس مد سے قرض ادا کیا جا سکتا ہے

7. **راہِ خدا میں**: یعنی ہر ایسا کام جس میں رب تعالیٰ کی رضا مطلوب ہو اور یہ میدان بہت وسیع اور کثیر الجہات ہے۔ آئمہ سلف جہاد فی سبیل اللہ اور قتال فی سبیل اللہ اسکا بہترین مصرف گردانتے ہیں۔ دینی مدارس کا قیام اور ان کے اخراجات، نظام اسلامی کو قائم کرنے کی جدوجہد میں مشغول

افراد۔ ان کو سفر خرچ کے لئے، سواری کے لئے، آلات و اسلحہ اور سروسامان کی فراہمی کے لئے زکوٰۃ سے مدد دی جا سکتی ہے۔ بعض علماء کے نزدیک اس مد سے مساجد کی تعمیر و مرمت پر بھی خرچ کیا جا سکتا ہے

8. مسافر (وَابْنِ السَّبِيْلِ) (راستہ کا راہی): مسافر خواہ اپنے گھر میں غنی ہو لیکن حالتِ سفر میں اگر وہ مدد کا محتاج ہو جائے تو اس کی مدد زکوٰۃ کی مد سے کی جائے گی۔ مثلاً فی الواقع کسی کی جیب کٹ جائے یا مال چوری ہو جائے وغیرہ وغیرہ۔

معاشی لحاظ سے معاشرے میں تین طبقے موجود ہوتے ہیں۔ ایک اغنیاء/متمول (Have ز) جن سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی، دوسرا فقراء، مساکین یا مقروضوں (Have notز) کا طبقہ جسے زکوٰۃ دی جائے گی اور تیسرا متوسط طبقہ جس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی تاہم وہ زکوٰۃ کا مستحق بھی قرار نہیں دیا جا سکتا اور اس کی آمدنی کے ذرائع اتنے ہوتے ہیں جس سے اخراجات بمشکل پورے ہوتے ہیں بقول نصرت صدیقی

کس ضرورت کو دبا لوں کسے پورا کر لوں
اپنی تنخواہ کئی بار گنی ہے میں نے

غنی وہ ہوتا ہے جس کے پاس کوئی چیز بقدر نصاب یا اس سے زائد موجود ہو اور جس کے پاس کوئی چیز بھی بقدر نصاب موجود نہ ہو وہ فقیر یا مسکین کے زمرے میں آتا ہے

## بنو ہاشم اور زکوٰۃ

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی ذات اور اپنے خاندان بنو ہاشم پر زکوٰۃ کا مال حرام قرار دیا تھا۔ چنانچہ آپؐ نے خود بھی تحصیل و تقسیم صدقات کا کام ہمیشہ بلا معاوضہ سر انجام دیا اور دوسرے بنو ہاشم کے لئے بھی یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ اگر وہ اس خدمت کو بلا معاوضہ انجام دیں تو جائز ہے۔ آپؐ کے خاندان کے لوگ اگر صاحب نصاب ہوں تو زکوٰۃ دینا ان پر فرض ہے لیکن اگر وہ غریب و محتاج یا قرض دار یا مسافر ہوں تو زکوٰۃ لینا ان کے لئے پھر بھی حرام ہے۔ البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ خود بنو ہاشم کی زکوٰۃ بھی بنو ہاشم لے سکتے ہیں یا نہیں۔ امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ لے سکتے ہیں۔ لیکن اکثر فقہاء اس کو بھی جائز نہیں سمجھتے۔ لیکن اگر صدقہ کی چیز کسی مستحق کے واسطہ سے ہدیہ آل نبی کو مل جائے تو وہ جائز ہے۔ چند احادیث اسی ضمن میں درج کی جاتی ہیں۔

(ا) ام عطیہ کہتی ہیں کہ آپؐ نے سیدہ عائشہؓ کے ہاں جا کر پوچھا "کچھ کھانے کو ہے؟" انھوں نے عرض کیا کچھ نہیں صرف بکری کا وہ گوشت ہے جو آپؐ نے نُسیبہ کو خیرات دی تھی اور اس نے تحفہ کے طور پر ہمیں بھیجا ہے۔ آپؐ نے فرمایا "لاؤ خیرات تو اپنے ٹھکانے پر پہنچ چکی ہے" (بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ)

(ب) سیدنا انسؓ کہتے ہیں آپؐ کے پاس وہ گوشت لایا گیا جو بریرہؓ کو خیرات میں ملا تھا۔ آپؐ نے فرمایا بریرہؓ پر یہ صدقہ تھا اور ہمارے لئے یہ تحفہ ہے (بخاری، کتاب الزکوٰۃ)

## زکوٰۃ: تطہیر اموال و تزکیہ نفس

جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ پاک ہو جاتا ہے اور جس جیب سے بھی زکوٰۃ خیرات کی جائے اس کا دل حب دنیا، حرص، بخل وغیرہ جیسے باطنی امراض سے پاک ہو جاتا ہے۔ فی سبیل اللہ انفاق کے ذیل میں سورۃ التوبہ 9 : 103 کی تشریح کرتے ہوئے صاحب تفہیم القرآن جلد دوم میں رقمطراز ہیں کہ گناہوں کی تلافی کے لئے زبان اور قلب کی توبہ کے ساتھ ساتھ عملی توبہ بھی ہونی چاہیے اور عملی توبہ کی ایک شکل یہ ہے کہ آدمی خدا کی راہ میں مال خیرات کرے۔ اس طرح وہ گندگی جو نفس میں پرورش پا رہی تھی اور جس کی بدولت آدمی سے گناہ کا صدور ہوا تھا دور ہو جاتی ہے اور خیر کی طرف پلٹنے کی استعداد بڑھتی ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی سے مال سے محبت کم اور مجبور و لاچار لوگوں سے ہمدردی کا جذبہ فروغ پاتا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے معاشی لحاظ سے تین طبقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے

ا۔ وہ لوگ جن سے زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے یہ لوگ اہل نصاب اور متمول گردانے جاتے ہیں (Have's)

ب۔ متوسط طبقہ (Mediocre)

ج۔ وہ لوگ جن میں زکوٰۃ تقسیم ہوگی یعنی فقراء اور مساکین

ایک حدیث کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا جس کے پاس ایک اوقیہ چاندی کی مالیت کے برابر کوئی بھی چیز موجود ہو وہ زکوٰۃ لینے کا مستحق نہیں جبکہ زکوٰۃ کا حد نصاب ۵ اوقیہ چاندی ہے۔ (ابوداؤد) جو نہ زکوٰۃ دینے کا اہل ہوتا ہے، نہ زکوٰۃ لینے کا۔ اصول یہ ہے کہ زکوٰۃ طبقہ ا سے لی جائے اور طبقہ ب میں تقسیم کی جائے۔ عربی زبان میں زکوٰۃ وسیع مفہوم کے دو تصورات پر مشتمل ہے ایک پاکیزگی دوسرے بڑھوتری یا نشوونما۔ یہ دو تصورات مل کر زکوٰۃ کا پورا تصور دیتے ہیں۔ سورۃ المومنون آیت ۴ کا ترجمہ "زکوٰۃ کے طریقے پر عامل ہوتے ہیں" جبکہ دوسرے مقام پہ قرآن یؤتون الزکوٰۃ کا معروف انداز اپناتا ہے یعنی کہ وہ تزکیہ کی غرض سے اپنے مال کا ایک حصہ دیتے ہیں۔ اس طرح بات صرف مال دینے تک محدود ہو جاتی ہے لیکن اگر فاعلون کہا جائے تو مطلب تزکیہ بھی حاصل ہوتا ہے جس میں تزکیہ نفس، تزکیہ اخلاق، تزکیہ زندگی، تزکیہ مال، غرض ہر پہلو اور طرز فکر و معاشرت کے ہر گوشے کو تقاضا اور پاکیزگی عطا کرے گا۔ سید مودودی رقمطراز ہیں "تزکیہ کا کام کرنے والے لوگ اپنے آپ کو بھی پاک کرتے ہیں اور دوسروں کو پاک کرنے کی خدمت بھی انجام دیتے ہیں، اپنے اندر بھی جوہر انسانیت کو نشوونما دیتے ہیں اور باہر کی زندگی میں بھی اس کی ترقی کے لئے کوشاں رہتے ہیں"۔ زکوٰۃ سے اور بجا درجہ انفاق فی سبیل اللہ کا ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی سے بندہ رب تعالیٰ کے فرض سے تو سبکدوش ہو جاتا ہے اور مال پاک بھی ہو جاتا ہے لیکن قرب الٰہی اللہ کی چاشنی اور حلاوت اہل و عیال کی ناگزیر ضروریات کے سوا ہر مصرف سے اپنا مال بچا کر خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں مضمر ہے۔ جو شخص اس اہتمام سے راہ خدا میں مال خرچ کرتا ہے اور محبت مال سے نکل کر رب تعالیٰ سے تعلق استوار کرتا ہے۔ اس کا دل بھی رب تعالیٰ کے ساتھ رہے گا کیونکہ اس کا مال رب تعالیٰ کے پاس ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "تو اپنا مال اپنے خداوند کے پاس رکھ کہ تیرا مال جہاں رہے گا وہیں تیرا دل بھی رہے گا"۔ مال و دولت چونکہ رب تعالیٰ ہی کی عطا ہے اور جو شخص رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اللہ کے کنبہ پر خرچ کرتا ہے۔ رب تعالیٰ دنیا میں اس کے مال میں برکت عطا فرماتا ہے اور آخرت میں بھی اس کے ساتھ مغفرت اور فضل کا وعدہ کرتا ہے (یعدکم مغفرۃ منہ و فضلاً)۔ ایک حدیث کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندوں پر کوئی صبح بھی نہیں آتی

مگر دو فرشتے اترتے ہیں، ایک یہ دعا کرتا ہے کہ اے خدا تو اپنی راہ میں خرچ کرنے والے کو اس کا بدلہ عطا فرما اور دوسرا یہ دعا کرتا ہے کہ تو بخیل کو بربادی اور نقصان عطا فرما۔ (متفق علیہ)

کرنے والا جو کچھ بطور رشوت لے وہ مکس ہے اور یہ بھی زکوٰۃ کے علاوہ کوئی دوسرا ٹیکس عائد کرے یعنی دس فیصد کی بجائے بارہ پندرہ فیصد وصول کرے اور یہ بھی کہ حکومت زکوٰۃ کے علاوہ کوئی مزید ٹیکس عائد کرے۔ عین ممکن ہے کہ زبانوں کے تغیر و تبدل سے بہت سے الفاظ نئے قالب میں ڈھل جاتے ہیں تو مکس کا لفظ بھی دوسری زبان میں جا کر ٹیکس بن گیا ہو۔

اب مکس کی شرعی حیثیت کی وضاحت دور نبوی کے ایک واقعہ سے استنباط کرتے ہیں جب قبیلہ غامدیہ کی عورت کو زنا کے اعتراف جرم کے نتیجہ میں سنگسار کیا گیا تو حضرت خالد بن ولید نے پتھر مارا تو خون کے چند چھینٹے حضرت خالدؓ کے منہ پر پڑے تو انہوں نے عورت کو برا بھلا کہا تو رسالت مآب ﷺ نے حضرت خالدؓ سے فرمایا "خالد! یہ کیا بات ہے اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر کوئی ٹیکس وصول کرنے والا بھی ایسی توبہ کرے تو معاف کر دیا جائے" (مسلم۔ کتاب الحدود۔ باب حد زنا) گویا مکس کا جرم زنا سے کسی صورت کم نہیں ہے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "ٹیکس وصول کرنے والا جنت میں داخل نہ ہو گا"۔

ٹیکس کا مقصد عوام کی آمدنی کا ایک حصہ لے کر نظام حکومت چلانا، رفاہ عامہ کے کام کرنا اور ملک کی عسکری اور اقتصادی ضروریات پورا کرنا ہوتا ہے جبکہ زکوٰۃ کا مقصود تطہیر مال اور تزکیہ نفس ہوتا ہے زکوٰۃ کا سب سے بڑا اور بنیادی مصرف غریب طبقہ (Have nots) کی بنیادی ضروریات کی کفالت ہے جبکہ ٹیکس کی رقم کا اگرچہ بڑا حصہ غریب کی جیب سے نکلتا ہے اور اس سے فائدہ امیر طبقہ اٹھاتا ہے۔ زکوٰۃ کے ذریعے دولت کا بہاؤ امیر سے غریب کی طرف ہوتا ہے جبکہ ٹیکس سرمایہ دارانہ نظام کے دو اہم ارکان سود اور ٹیکس میں سے دوسرا رکن ہے۔ جس طرح سود سے بالآخر سرمایہ دار اور امیر طبقہ کو فائدہ پہنچتا ہے اور غریب غریب تر ہوتا جاتا ہے اسی طرح ٹیکس کا بار تو عام آدمی برداشت کرتا ہے اور فائدہ امیر حاصل کرتا ہے۔ روش دنیا کا معاملہ کچھ ایسا ہے کہ

بھرے ہی کو بھرتی ہے دنیا مدام
سمندر کو جاتے ہیں دریا تمام

زکوٰۃ کی موجودگی میں دوسرے ٹیکس استحصال اور زیادتی کے زمرے میں آتے ہیں۔ اسلام نے پوری صراحت کے ساتھ بغیر حق کے مسلمان کے اموال اور عزت و آبرو کو حرام قرار دیا ہے جس پر آپ ﷺ کا خطبہ حجۃ الوداع شاہد ہے (مسلم۔ کتاب الحج۔ باب حجۃ النبی ﷺ) پھر ایسے صریح احکام کی موجودگی میں حکومت کے پاس وہ کونسا حق ہے جس کی بنا پر وہ مسلمانوں سے زکوٰۃ کے علاوہ کچھ اور وصول کرے؟ اگر ایک شخص اپنی ضرورت کے مطابق مکان بنا لیتا ہے تو اس پر پراپرٹی ٹیکس عائد کرنا چہ معنی دارد؟

البتہ فقہائے امت نے اگر کچھ ٹیکس کی گنجائش پیدا کی ہے تو وہ صرف قحط سالی کے دوران

جبکہ غریب لوگوں پر ہے ہوں اور بیت المال میں ضرورت سے کم رقم موجود ہو تو حکومت متمول لوگوں سے اپیل کر سکتی ہے کہ ہنگامی حالات میں حکومت کی مدد کی جائے اور یہ ٹیکس وقتی ہو اور عدل سے کام لیتے ہوئے لگایا جائے۔ اس ٹیکس کی حیثیت عارضی ہوگی، دوامی نہیں ہوگی اور صرف اتنا ہی ٹیکس لیا جائے جس سے ضرورت پوری ہو سکے اس سے زائد نہیں۔ رہے ایسے ٹیکس جو اہل اقتدار کی عیاشیوں اور موج مستیوں کو پورا کرنے کے لئے لگائے جائیں تو ان کی ایک اسلامی حکومت میں قطعاً گنجائش نہیں

## نئے ٹیکسوں سے گریز ممکن ہے؟

دورِ حاضر میں ٹیکس گردی کے لئے جو جواز اور دلیل پیش کی جاتی ہے کہ حکومتوں نے متعدد ذمہ داریاں اپنے سر لے لی ہیں اور اخراجات بہت بڑھ چکے ہیں لہٰذا نئے ٹیکس لگانا ضروری ہے۔ ٹیکس سے گریز ممکن ہے۔ راقم اس دعویٰ کی دلیل میں چند معروضات پیش کرنے کی جسارت کرتا ہے۔

- اراکین پارلیمنٹ، اسپیکرز، چیئرمین و ڈپٹی چیئرمین سینیٹ، وفاقی و صوبائی وزراء کی فوج ظفر موج کی تنخواہوں اور مراعات میں بے محابا اضافہ۔ صدر اور وزیر اعظم کے بیرونی دوروں میں بھاری بھرکم وفود کے بھاری اخراجات پورے کرنے کے لئے عوام پر ٹیکس کی چھری چلائی جاتی ہے۔ دیکھیں کروڑوں عوام جی ایس ٹی، پیٹرول، ہسپتال، بجلی، گیس کے نرخوں میں کس طرح کے ٹیکس ادا کر رہے ہیں۔ غریب ملک کی امیر حکومت!

~~ آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

اگر حکومت کے دل میں غریب عوام کا درد ہو تو متذکرہ بالا بلا جواز اضافوں میں کمی کرکے عوام کی زندگی آسان بنائی جاسکتی ہے

- عصر حاضر میں کئی محکمے ایسے ہیں جو اسلامی نظریات سے متصادم ہیں انکی سرے سے کوئی گنجائش اسلامی مملکت میں نہیں بنتی مثلاً خاندانی منصوبہ بندی، وزارت ثقافت، ثقافتی طائفوں کے بین الاقوامی دورے اور ثقافتی سرگرمیوں پر اٹھنے والے اخراجات
- سرکاری املاک اور لگژری گاڑیاں جو اہل اقتدار استعمال تو ذاتی طور پر کرتے ہیں اور انکا بوجھ قومی خزانے پر ڈال دیا جاتا ہے۔
- گنجائش اور ضرورت سے زیادہ ملازمین کی بھرتیاں اور اس پر مستزاد بوگس ملازموں کی تنخواہیں پی آئی اے، سٹیل ملز، اسکول، کارپوریشن اسکی منہ بولتی مثالیں ہیں۔ ایک دور کے یہ منافع بخش ادارے آج سفید ہاتھی بن چکے ہیں۔ اربوں کے خسارے ان اداروں کی کارکردگی پر سوالیہ نشان ہیں
- اخراجات کے بڑھنے کی ایک اور بڑی وجہ ہمارا موجودہ نظام ہے مثلاً عدلیہ میں فوجداری مقدمات سالہا سال تک مدعی اور فریق مخالف دونوں کا خون نچوڑتے اور مالی اور ذہنی

اذیت اور خلجان میں مبتلا رکھتے ہیں۔ دیوانی مقدمات تو نسلوں تک چلتے ہیں۔ اسلامی
نظام میں قتل جیسے مقدمہ میں ایک ماہ کا عرصہ درکار ہوتا ہے۔ جہاں آج کل سو جج کام کر رہے ہیں
اسلامی نظام میں دس جج ہی کفایت کر سکتے ہیں۔ اس میں فوجداری مقدمات میں پولیس اور
دیوانی مقدمات میں محکمہ مال کا عملہ لمبے عرصے تک ایک یا معدودے چند مقدمات میں وقت
اور صلاحیتیں لگانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ وقت اور پیسے کا ضیاع حکومت کے ہاتھ پر کوئی شکل میں
لگانا اور سب اچھا ہے کی بانسری بجتی رہتی ہے اور status quo کی کیفیت طاری ہے۔ اگر مناسب
اصلاحات بروئے کار لائی جائیں تو اخراجات میں حیرت انگیز حد تک کمی از خود واقع ہو جائے گی
غیر دانشمندانہ بڑھتے ہوئے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے حکومت کے پاس ٹیکس کی شرح بڑھانے
اور نئے ناموں سے ٹیکس لگانے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ حکومت اپنی
چادر کے مطابق پاؤں کیوں نہیں پھیلاتی۔ جب ملک معاشی دیوالیہ ہونے کے قریب ہوتا ہے تو پھر عالمی
سودی اداروں مثلاً آئی ایم ایف یا عالمی بنک سے امداد کے لئے منت سماجت کر کے بھاری شرح
سود پر قرضوں قرض حاصل کئے جاتے ہیں۔ یہ سود در سود جاری عوام کی جیبوں سے نکالا
جاتا ہے۔ صحیح آزادی سے لے کر آج تک ایک دن بھی یہ ملک سودی قرضوں کے بوجھ سے نجات
نہیں پا سکا۔ قومی ٹیلیویژن پر آئی ایم ایف سے ۱.۰۳ ارب ڈالر کے قرض کی منظوری کی قسط پر
حکمران خوشی سے شادیانے بجا رہے ہیں۔ حیف صد حیف! کہ کاروان کے دل سے احساس جاتا رہا
ہے۔ اور عوام بے چاری خوشحالی کے سپنے دیکھ رہی ہے اور حکمران آسائشوں کے مزے لے رہے
ہیں۔
ہما دکھ جھیلے بی فاختہ اور کوے انڈے کھائیں

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنا رخ دین مبین کی طرف موڑ دیں۔ آج بھی بیت المال کی جائز
آمدنی سے حکومتی جائز اخراجات بطریق احسن پورے ہو سکتے ہیں لیکن حکمرانوں کے اللّے تللّے اسی طرح رہے
تو اگلے پچاس سال میں بھی آئی ایم ایف کے چنگل سے آزاد ہونے کے امکانات نظر نہیں آتے۔
یہودی سود خوار اداروں نے دنیا کی معیشت کو اپنے جال میں پھنسایا ہوا ہے۔ امریکہ جیسی
سپر پاور بھی اسرائیل کی چھوٹی سی ریاست کے آگے بے بس نظر آتی ہے۔ حالیہ غزہ جنگ میں امریکہ
نے جس ڈھٹائی اور فیاضی سے اسرائیل کی فوجی اور سفارتی مدد کی ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی
نہیں۔ ستر ہزار سے زائد فلسطینی رزق خاک ہو چکے، ڈیڑھ لاکھ سے زائد زخمی اور معذور ہیں۔
معصوم بچے بھوک پیاس سے بلکتے لباس اور چھت سے محروم زندہ انسانی ڈھانچے دیکھ کر تو ہلاکو کی روح
بھی شرما جاتی ہوگی۔ حضرت قائداعظمؒ نے اسرائیل کی پیدائش کو ناجائز بچے سے تشبیہ دی تھی اور
اسے کبھی تسلیم نہ کرنے کا برملا اعلان کیا تھا۔ باون اسلامی ممالک اپنے تمام تر معدنی اور
تیل کے ذخائر کے باوجود چڑیا جتنے اسرائیل کو ظلم و بربریت سے روکنے میں ناکام ہیں۔ اسرائیل
امریکہ کا پالتو کتا اور ناجائز بچہ ہونے کی وجہ سے کسی عالمی مذمت اور نفرین کو خاطر میں

## کیا ٹیکس زکوٰۃ کا متبادل ہیں؟

فی زمانہ ٹیکس اور زکوٰۃ کے بارے میں اُلجھنیں پیدا ہوگئی ہیں۔ ایک طبقہ وہ ہے جو شرح زکوٰۃ اور نصاب زکوٰۃ کو رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور کے تقاضوں کے ساتھ منسلک کرتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ آج ایک اسلامی حکومت اس دور کے تقاضوں کے مطابق جو بھی ٹیکس وصول کرتی ہے وہی زکوٰۃ ہے۔ حکومت اگر چاہے تو شرح زکوٰۃ میں کمی بیشی کرنے کی بھی مجاز ہے اور نئے ٹیکس عائد کرنے کی بھی لہٰذا حکومت جو بھی وصول کرے وہ زکوٰۃ ہی ہوگی۔ مزید برآں رسول پاک کی سنت یہی ہے کہ آپ نے اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق نصاب اشیاء اور شرح زکوٰۃ مقرر کی تھی اور ہم اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق یہ امور طے کریں۔

یہ نادر خیال اسلام کے بنیادی فرض پر براہ راست حملہ ہے۔ زکوٰۃ کی فرضیت قرآن کی نص قطعی سے ثابت اور احادیث صحیحہ سے تفاصیل روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ اس میں عقلی اور فلسفیانہ موشگافیوں کی قطعاً ضرورت ہے اور نہ گنجائش۔ اس ضمن میں اس غلط فہمی کے ازالہ کے لئے چند معروضات پر غور و فکر کی ضرورت ہے

عہد نبوی اور خلفائے راشدین کے دور میں مسلمانوں سے تو زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی اور غیر مسلموں سے جزیہ۔ مثلاً عرب کا جو ہمسایہ ملک فارس (ایران) میں زمینداروں سے جو مالیہ وصول کیا جاتا اُسے فراگ کہتے جو آج کی اصطلاح میں خراج کہلاتا ہے۔ یعنی غیر مسلموں پر تو وہی ٹیکس بحال رکھے گئے جو دستور زمانہ کے مطابق تھے مگر مسلمانوں سے یہ عام ٹیکس ساقط کر دیئے گئے اور ان کی بجائے زکوٰۃ عائد کی گئی

دوسرا فرق یہ ہے کہ زکوٰۃ کا نصاب اور شرح میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں کی گئی جبکہ جزیہ اور خراج میں تبدیلی ہوتی رہی۔ عہد نبوی میں جزیہ کی شرح ایک دینار فی کس سالانہ تھی اور یہ رقم اجتماعی طور پر ہر کس و ناکس سے (بوڑھے، بچے، عورت اور معذوروں کی تعداد کے مطابق) وصول کی جاتی تھی۔ مگر سیدنا عمرؓ کے دور میں بوڑھے، بچوں، عورتوں اور معذوروں سے جزیہ ساقط کر دیا گیا اور کمانے والے افراد کے بھی تین درجے مقرر کئے جن سے بالترتیب چار دینار، دو دینار اور ایک دینار سالانہ کے حساب سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا۔ بنی تغلب قبیلہ کے عیسائیوں نے درخواست کی کہ ان سے خراج کی بجائے دوگنا عشر لیا جائے تو سیدنا عمرؓ نے ان کی اس درخواست کو قبول فرما لیا۔ اس سے یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ اس دور میں زکوٰۃ کو دین کا ستون/رکن سمجھا جاتا تھا اور اس کی جزئیات تک غیر متبدل تھیں جبکہ جزیہ اور خراج کی شرح میں حسب حالات تغیر و تبدل کر لیا جاتا تھا

مسلمانوں سے زکوٰۃ کے علاوہ جو کچھ بھی کسی اور مد میں وصول کیا جاتا ہے اسے عربی میں مکس کہتے ہیں۔ مشکوٰۃ میں صاحب مکس کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے
الذی من یاخذ العشر و یزید علیہ شیئاً یعنی وہ شخص جو عشر وصول کرتا ہے اور اس سے کچھ زیادہ بھی لیتا ہے۔ ان الفاظ کے یہ معانی بھی لئے جا سکتے ہیں کہ زکوٰۃ وصول

# عصر حاضر کا معاشی اور مالیاتی نظام بمقابلہ اسلام کا نظام معیشت و مالیات

گزشتہ ساڑھے تین سو سال کے عرصہ میں آدم سمتھ کی Wealth of Nations سے اہل مغرب نے
دنیا کا معاشی اور مالیاتی نظام کو ترتیب دیا ہے۔ یہ ایک ایسا پیچیدہ نظام ہے جس کی بنیاد سود
اور ربا پر ہے۔ یہ نظام مخصوص طبقوں کے vested interests (مفادات) کو نہ صرف تحفظ فراہم
کرتا ہے بلکہ کمزور معاشی طبقات اور ممالک کو ان کا دستِ نگر اور کنٹرول میں رکھتا ہے۔ جس
کو آزاد معیشت اور آزاد منڈی (Free Market Economy) کا نظام کہا جاتا ہے۔ پورا علم معاشیات
اسی نظام کی ترویج و نفاذ کے لیے مرتب کیا گیا ہے۔ مشرقی ممالک کے لوگوں کو معاشیات، بنکاری اور
تجارت و مالیات میں جب تربیت دی جاتی ہے تو وہی اسی نظام کے بنیادی تصورات اور
افکار کے مطابق دی جاتی ہے۔

اس نظام کا مقصود یہ ہے کہ دنیا کے وسائل پر مغربی قوتوں کا کنٹرول برقرار رکھا جائے
ارتکازِ دولت کے ذریعے تیسری دنیا کے خام مال کو اہل مغرب کی صنعتوں اور معاشی بالادستی کے لیے
استعمال کیا جائے۔ تیسری دنیا کی حیثیت مغربی ممالک کی منڈیوں سے زیادہ نہ ہو۔ اس صورتحال
کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ روئے زمین پر اللہ نے جو وسائل عطا فرمائے ہیں ان کا 19 فیصد دنیا
کی 81 فیصد آبادی کے تصرف میں ہے۔ یہ اعداد و شمار بھی کم و بیش بیس سال پہلے کے ہیں اور
ان میں دن بدن تبدیلی آ رہی ہے۔ تیسری دنیا کے لیے ممکن نہیں کہ اپنے وسائل کے استعمال اور
لین دین کا فیصلہ اپنی آزادانہ طور پر کرسکے۔ مسلمان حکومتیں اپنے ہاں معاشی انصاف کا نظام
قائم کرنا چاہیں تو کن خطوط پر کریں۔ اس کا جواب قرآن پاک اور سنتِ رسول اکرمؐ اور مسلمانوں
کے فکری اور فقہی سرمایہ سے لینے کی بجائے مغربی تصورات اور معیارات بلکہ مغرب کی
خواہشات اور ہدایات کے مطابق حاصل کیا جا رہا ہے۔

اسلام کے معاشی اور مالیاتی احکام اور تصورات کے بارے میں بہت سے شبہات اور غلط فہمیاں
پیدا کی جا رہی ہیں۔ بلا سود بنکاری کی شروعات تو کی گئیں ہیں مگر عامۃ الناس میں
ہنوز اس کے متعلق غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے بعض شبہات کا تعلق اسلامی نقطہ نظر
کو صحیح انداز سے بیان نہ کرنے کی وجہ سے ہے اور بعض کا تعلق ان مفادات سے ہے جو مغرب سے
درآمد کردہ نظام سے وابستہ ہیں۔ دریں حالات اہم بات یہ ہے کہ اسلام کے قانون تجارت و
معیشت اور مالیات کو درست تناظر میں دیکھا اور پرکھا جائے۔ یہ اتنا اہم شعبہ ہے کہ ہر انسان کو اس سے
واسطہ پڑتا ہے مثلاً لین دین، خرید و فروخت، انفرادی و اجتماعی تجارت وغیرہ لہٰذا معیشت اور
اقتصاد سے کچھ نہ کچھ واقفیت ہر وقت درکار ہے۔ اس ضمن میں سب سے اہم تصورِ ملکیت کا جاننا
نہایت ناگزیر ہے۔ قرآن مجید نے ہر مال، ہر جائیداد اور ہر ملکیت کا حقیقی خالق اور مالک رب تعالیٰ کو
قرار دیا ہے۔ انسان اس کا امین ہے اور مجازی طور پر مالک ہے گویا جس چیز کو اللہ نے آپ کے انتظام
اور امانت میں دیا ہے جس پر تصرف کرنے میں اللہ کے خلیفہ ہیں۔ اس سے استفادہ کرنے یعنی خرید و فروخت
سرمایہ پر اٹھانا، کسی کو منتقل کرنا وغیرہ کے ضمن میں بنیادی ہدایات اور احکامات قرآن مجید
اور سنتِ رسول اکرمؐ نے بیان فرما کر ہماری مشکل آسان اور جائز کر دی ہے۔

(14)

قرآن پاک نے اصولی طور پر ایک بات بصراحت ارشاد فرمائی کہ لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ (پارہ ۵ سورۃ النساء آیت ۲۹) اے مسلمانو! اپنا مال ایک دوسرے کے درمیان باطل طریقے سے مت کھاؤ۔ جو طریقہ کہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ نے ناپسند فرمایا ہے وہ باطل اور ناجائز ہے۔ اس طریقہ سے اگر مال کھاؤ گے تو یہ حرام ہے۔ سوائے اس کے تجارت کے ذریعے ایک دوسرے سے مال لے اور دے سکتے ہو اور یہ معاملہ بھی آپس کی مکمل رضامندی سے ہو۔ اسلام کی قانون تجارت کی تین بنیادی دفعات قرآن نے ذکر کیں ہیں

- کسی کا مال کسی بھی غیر شرعی اور ناجائز طریقے سے لینا حرام ہے۔ ہر وہ طریقہ باطل ہے جس کی شریعت نے اجازت نہ دی ہو۔ باطل طریقے سے کسی کا مال ہتھیانا فرد، جماعت اور حکومت سب کے لئے ناجائز ہے

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں اسکی تشریح میں لکھا ہے کہ حکومت کے لئے یہ بات بالکل جائز اور مناسب نہیں کہ کسی شخص کے جائز قبضہ سے کوئی چیز لے سوائے اس کے کہ وہ ایک ثابت شدہ اور معروف حق کی بنیاد پر ہو

- تجارت آپس کی رضامندی سے ہو۔ اگر فریقین کی مکمل رضامندی اور خوشی نہ ہو تو تجارت جائز نہیں قرآن مجید نے اس سلسلہ میں تراضی کی اصطلاح استعمال فرمائی ہے۔ اس اصول کی مزید وضاحت متعدد احادیث میں رسالت مآب ﷺ نے فرمائی۔ اگر ایک فریق اپنی کسی مجبوری اور پریشانی کی وجہ سے براہ مجبوری بظاہر رضامندی ظاہر کرکے اپنی چیز بازار کی قیمت سے کم قیمت پر فروخت کر جائے۔ یہ در حقیقت تراضی نہیں ہے۔ فروخت کنندہ کے لئے تو جائز ہے کیونکہ وہ مجبور ہے لیکن خریدار کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اتنی کم قیمت دے کہ ہر کوئی اس کو کم اور نامناسب قیمت قرار دے۔ لہذا یہ حقیقی تراضی نہیں ہے

شریعت کی نظر میں ریاست کا قانون تمام شہریوں کے لئے یکساں ہوگا۔ اس میں مسلم، غیر مسلم، نیک اور بد، عالم اور جاہل کی کوئی تمیز نہیں ہوگی۔ مدینہ منورہ کی شہری ریاست میں جس قانون کی پابندی رسول اکرم ﷺ اپنی ذات مبارکہ پر فرماتے تھے اسی قانون کی پابندی ایک یہودی پر بھی عائد ہوتی تھی

- تیسرا اصول ہے رفع ظلم یعنی کسی بھی تجارتی لین دین میں کسی فریق پر ظلم نہیں ہونا چاہیے۔ بظاہر تو اس سے سب مذاہب اور قوانین اتفاق کرتے ہیں۔ ہر کوئی ظلم کو ناجائز سمجھتا ہے مگر اس دعوی کے باوجود عملاً دنیا کے دوسرے مذاہب، ممالک اور نظاموں میں ایسے قوانین رائج ہیں جن کو شریعت ظلم اور ناجائز قرار دیتی ہے

حدود شریعت کے اندر رہتے ہوئے تجارت کی جتنی شکلیں انسان سوچ سکتا ہے وہ سب جائز ہیں۔ معاملات میں شریعت محمدی کا مزاج بہت نرمی کا ہے۔ کچھ چیزیں جو ناجائز تھیں وہ شریعت نے روک دیں جو جائز تھیں وہ شریعت نے حکم دیا کہ یہ لازمی کرنی ہیں۔ ان دونوں کے درمیان کاروبار اور تجارت کی جو جو ممکنہ صورتیں ہیں وہ سب جائز ہیں

فقہا نے تجارت کی مختلف اقسام یا اشکال کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک ہے مال کے بدلے مال۔ آپ نے پیسے دے کے گندم خریدی، ایک طرف گندم ہے دوسری طرف پیسے ہیں۔ ایک طرف بھی مال ہے دوسری طرف بھی مال ہے۔ اسی کو بارٹر سیل کہا جاتا ہے۔ یہ وہ معاملہ ہے جس کو شریعت کی اصطلاح میں بیع کہتے ہیں۔ أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَوٰا (پارہ ۳ سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۵)

اللہ تعالیٰ نے بیع یعنی تجارت کو جائز اور ربا کو حرام قرار دیا ہے

تجارت کی دوسری قسمیں وہ ہیں جن میں بنیاد زمین یا زمین کی پیداوار ہو۔ مثلاً ایک شخص زمین دے گا دوسرا اس پر محنت کرے گا یا مثلاً ایک شخص بیج دے گا دوسرا محنت کرے گا۔ ایک بیج بھی فراہم کرے گا اور محنت بھی کرے گا اور دوسرا شخص صرف زمین دے گا۔ یوں اس نظام کی بہت ساری شکلیں ہو سکتی ہیں۔ زمین میں سے تیل اور معدنیات اور ایسے ہی بہت سے معاملات بھی اس میں شامل ہو گئے ہیں جن کے لئے نئے احکام وضع کرنے کی ضرورت ہے۔ مگر فقہا نے اسلام نے زراعت کے حوالہ سے عام طور پر دو عنوانات کو موضوع بحث بنایا ہے۔ ایک مزارعت اور دوسرا مساقات۔ مزارعت سے مراد مشترکہ کاروبار کا وہ انداز ہے جس کو بٹائی بھی کہہ سکتے ہیں۔ اسکی بعض شکلیں جائز اور بعض ناجائز ہیں۔ جو ناجائز ہیں وہ اس لئے ناجائز ہیں کہ ان میں یا تو ربا پایا جاتا ہے یا اس طرح کی کوئی اور صورت استحصال چیز پائی جاتی ہے

تجارت کی تفصیل ہمیں ریاست مدینہ کی تاریخ سے ملتی ہے۔ مدینہ منورہ اس اعتبار سے جزیرہ عرب میں نمایاں تھا کہ وہاں تجارت اور زراعت دونوں کے مراکز تھے۔ مکہ مکرمہ میں صرف تجارت ہوتی تھی زراعت نہیں ہو سکتی تھی (بے آب و گیاہ مفقود) وادی غیر ذی زرع۔ مدینہ میں کھجور اور انگور کے علاوہ بھی بہت سی دوسری پیداوار حاصل ہوتی تھی مدینہ میں اس زمانے کے بہت سے علاقوں کی طرح بارٹر کا کاروبار بھی ہوتا تھا۔ لوگ ایک چیز دے کر دوسری چیزیں لیا کرتے تھے۔ ابتدائی معیشت میں ہر جگہ بارٹر کا نظام رائج تھا۔ یہودیوں نے اس نظام کے ذریعے اپنی بالادستی اور معاشی کنٹرول مضبوط بنایا ہوا تھا۔ چونکہ زرعی پیداوار پر قبضہ عموماً یہودیوں ہی کا ہوتا تھا تو وہ جب ابھی فصل کٹنے میں کافی وقت ہوتا تھا تو لوگوں سے اس طرح معاملہ کرتے کہ ابھی چیز کچھ دے دیتے اور جب لوگوں کی پیداوار حاصل ہو جاتی اور وہ قرض وصول کرنے آتے تو کہتے کہ تمہاری پیداوار گھٹیا کوالٹی کی ہے اس لئے تمہیں زیادہ دینا پڑے گا مثلاً ایک ٹوکرے بدلے میں دو ٹوکرے لیا کرتے تھے۔ یہ بھی استحصال کا ایک طریقہ تھا۔ رسالت مآب ﷺ نے جب ربا کے احکام کے تحت کاروبار کی بہت سی شکلوں کو ناجائز قرار دیا تو اس شکل کو بھی ناجائز قرار دیا۔ اس کو ربا الفضل کہا جاتا ہے

اس سلسلہ میں ایک مشہور حدیث سے رہنمائی حاصل کرنا ضروری ہے جس میں چھ چیزوں کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: سونا اور چاندی، جو، کھجور، گندم اور نمک کا جب باہمی لین دین کیا جائے

تو وہ دست بدست کیا جائے، فوراً دیں اور فوراً لیں اور برابر سرابر کی بنیاد پر
لین دین کیا جائے۔ زیادتی ہوگی تو اسکو ربا سمجھا جائے گا۔ یہ ربا کی وہ قسم ہے جس کو
فقہائے ربوٰ البیع یا ربوٰ الفضل کے نام سے یاد کیا ہے۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث 1587
ابو داؤد، رقم الحدیث: 3349، ترمذی، رقم الحدیث: 1240، نسائی، رقم الحدیث: 4559)

تجارت کے رہنما اصول: ارشاداتِ رسالت مآب ﷺ کی روشنی میں:

ہجرت کے بعد رسالت مآب ﷺ نے مدینہ منورہ میں مسلمانوں کا ایک بازار قائم فرمایا
اور آئندہ کی معاشیات کو عدل و قسط پر استوار رکھنے کے لئے آپ ﷺ نے بعض
رہنما اصول بیان فرمائے جن کا خلاصہ درج ذیل ہے

- آپ ﷺ نے فرمایا کہ بازار میں جو لوگ کاروبار کریں وہ آزادانہ رضامندی سے کریں۔
جس کا ذکر راقم نے تراضی کے بیان میں گذشتہ صفحات میں کیا ہے
- کوئی بیرونی قوت قیمتوں میں کمی بیشی پر اثر انداز نہ ہو
- ذخیرہ اندوزی نہ ہو اور کسی کو اپنا سامان بازار میں لانے سے نہ روکا جائے۔ شہر
یا منڈی سے باہر جا کر ہی آنے والے تاجر سے مال خرید لینا اور اسے بازار تک نہ آنے
دینا۔ اس سے قیمتیں بڑھا چڑھا کر فروخت کرنا اور ذخیرہ اندوزی کر کے مہنگے
داموں فروخت کرنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا اور اس قسم کی معاملات کو ناجائز
قرار دیا۔ آپ ﷺ نے تلقی جلب کی ممانعت فرمائی۔ آج کی معاشیات کے نظام میں
اسکو کیسے بیان کیا جائے گا۔ اس کے لئے حکومت کو قواعد بنانے چاہیں
- اسی طرح سے آپ ﷺ نے فرمایا لا یبیع حاضر لباد یعنی کوئی شہری آدمی دیہاتی
کے لئے مال فروخت نہ کرے۔ دیہات میں لوگ چھوٹے چھوٹے کام کرتے تھے مثلاً اونٹ
کی اون سے خیمے بنایا کرتے تھے، خوراک بدوؤں کے ہاں تیار ہوتی تھی وغیرہ وغیرہ
شہری تاجر اونے پونے داموں خرید کر شہروں میں بہت اچھی قیمت پر فروخت
کر دیتے تھے۔ پاکستان میں دستی قالین بافی، کپڑوں پر کڑھائی، کڑھائی کئے ہوئے
کھیس، اونی شالیں، لکڑی سے بنا منقش فرنیچر اور سجاوٹ کی اشیاء سستے داموں
خرید کر لندن اور پیرس کے بازاروں میں ہزاروں ڈالر کی فروخت کی جاتی ہیں
دیہاتی ہنرمندوں کی براہ راست مارکیٹ تک رسائی نہیں ہوتی۔ ایسے لوگ
انکی سادگی اور ناواقفی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ ظلم ہے اور حدیث کی رو
سے جائز نہیں ہے
- ایک حدیث میں ارشاد فرمایا "اُدھار کی خرید و فروخت اُدھار کے ساتھ درست نہیں"
مثال کے طور پر آپ کا کسی کے ذمہ کوئی قرض ہے۔ اس شخص کی رقم کسی اور کے ذمہ
واجب الادا ہے۔ ان دونوں رقوم کا آپس میں تبادلہ ہو جانے پر جائز نہیں ہے

## زکوٰۃ کی برکات سے محرومی کی وجوہات

برصغیر کی تقسیم اور ایک وطن کی مانگ دو قومی نظریے کی بنیاد قرار دیا گیا۔ اسلام کے احکام کی تنفیذ کے لئے ایک الگ تجربہ گاہ ضروری تھی کیونکہ نظریہ پاکستان اور جدید لادینی نظریات ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ اسلام کے نفاذ کے لئے بے مثال قربانیوں اور جانگسل جدوجہد کے بعد یہ سرزمین تو اللہ نے عطا کر دی مگر اسلامی نظام جو اپنے اندر مکمل جامعیت رکھتا ہے اور معاشرتی، سیاسی، معاشی، عدالتی، تعلیمی الغرض ہر شعبہ زندگی میں ہدایت اور لائحہ عمل دیتا ہے وہ ابھی تک مملکت کے دروازے پر منتظر ہے کہ کوئی اسکو داخل ہونے کی اجازت دے کر اسکی پذیرائی کرے۔ یہ ایک مسلمہ اور تلخ حقیقت ہے کہ قائدین تحریک پاکستان جو کہ وطن عزیز کے کارپرداز ہیں وہ تحریک پاکستان کی روح سے ناآشنا تھے۔ اس طبقہ کی نظروں میں مغرب کا نظام جس کا چہرہ تو روشن نظر آیا مگر اندرون چنگیز سے تاریک تر نظروں سے اوجھل رہا۔ اہل پاکستان کی نفسیات اور مزاج نے اسے قبول نہیں کیا۔

اگر ہم صرف مالیاتی نظام پر توجہ مرکوز کریں تو زکوٰۃ کی فرضیت سے تو کوئی مسلمان انکار کر کے مسلمان رہ ہی نہیں سکتا اور حسن ظن یہی ہے کہ اس ملک میں زکوٰۃ کی ادائیگی کی جاتی ہے مگر انفرادی سطح پر حالانکہ زکوٰۃ ایک اجتماعی نظام کی متقاضی ہے۔ ریاست مدینہ میں بیت المال کا قیام اور زکوٰۃ اکٹھا کرنے کے لئے عمال کا تقرر اور ان کی ذمہ داریوں کے حوالے سے کتب احادیث میں کثرت سے مواد ملتا ہے اور پھر رسول پاکؐ کے وصال کے فوراً بعد عہد صدیقی میں مانعین زکوٰۃ کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا اور خلیفہ رسولؐ نے جس غیر متزلزل حکمت عملی سے ان کے خلاف تلوار نکالی وہ تا قیام قیامت امت کی غلط فہمی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا کہ اسلام کی نص کا انکار کسی صورت بھی قابل قبول نہیں۔ حضرت عمرؓ جیسے سخت مزاج رفیق رسول کا مصلحت کا مشورہ بھی نرم طبیعت حضرت ابوبکرؓ کو قائل نہ کر سکا کہ مانعین زکوٰۃ سے ابھی سختی سے نہ نبٹا جائے۔ کیونکہ وصال النبیؐ کے بعد ابھی ریاست اپنے پاؤں پر مضبوطی سے کھڑی نہیں۔ ابتدائے خلافت راشدہ میں یہ اقدام اسلام کے مالیاتی نظام کے لئے ایک اساسی حیثیت رکھتا ہے۔

پاکستان میں ایک دور میں بیت المال کا قیام اور نظام صلوٰۃ و زکوٰۃ کا مژدہ جانفزا سننے کو ملا۔ زکوٰۃ کمیٹیاں بھی قائم اور کچھ عرصہ عمل بھی ہوتا رہا مگر اقتدار کی تبدیلی کے ساتھ اس نظام کی صف بھی لپیٹ دی گئی۔ انفرادی طور پر زکوٰۃ کی ادائیگی سے وہ نتائج اور ثمرات حاصل نہ ہو سکے جو اس نظام کی برکات کے نتیجے میں مرتب ہوتے ہیں۔

عہدِ صدیقی کا یہ پختہ نظام عہدِ فاروقی میں ایسا ثمر بار ہوا کہ مدینہ میں لوگ زکوٰۃ کے مستحقین ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ اللہ کا دیا ہوا نظام اسی طرح برکات سے پُر ہے مگر یہ امر مسلمہ ہے جو دین کی اصل سے اغماض برت رہی ہے۔ دین اور دولت میں جدائی کا نتیجہ ہوس کی اسیری کی شکل میں اژدھا بن کے پھن پھیلائے ہمارا منہ چڑا رہا ہے۔ وہ اعجاز جو ایک صحرا نشین کی وساطت سے تفویض ہوا بے ثمر اور بے برکت کیسے ہو سکتا ہے۔

یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشین کا
بشیری ہے آئینہ دار نذیری
اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
کہ ہوں ایک جنیدی اور اردشیری

ایک مشہور روایت جس کو امام ترمذیؒ نے بیان کیا ہے ہماری رہنمائی اس انداز میں کرتی ہے حضورﷺ نے فرمایا کہ "جب تک تمہارے قائدین اور حکمران تم میں بہترین لوگ ہوں، جب تک تمہارے دولت مند سب سے زیادہ سخی اور کھلے دل کے ہوں اور تمہارے معاملات آپس میں مشورے سے طے پا رہے ہوں تو زمین کی پشت تمہارے لئے زمین کے پیٹ سے بہتر ہے۔" زکوٰۃ اور صدقات سے عدم رغبتی دین سے دوری، حکمرانوں کی دین سے عدم واقفیت اور بنیاد پرست کہلوانے پر شرمساری اپنا دو خواہشات اور ہوس زر پر منتج ہوتی ہے۔ فارابی نے ایک اسلامی ریاست کے خد و خال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امن و امان، تحفظ جان و مال، معروفات پر یقینی عمل اور منکرات سے قطعی احتراز جس کے نتیجے میں نصوص قرآنی پر عمل کی راہ آسان ہو جاتی ہے ماوردی، ابو یعلی اور دوسرے اہل علم نے بھی لکھا ہے کہ اسلامی نظام میں ریاست اور دین مذہب اور سلطنت دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں دونوں ایک دوسرے کے مددگار ہوتے ہیں۔ بالفاظ علامہ اقبال "

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

ریاست پاکستان اسلام کی بنیاد پر قائم ہے۔ اس ریاست کی ذمہ داریوں میں معاشی ذمہ داریاں بھی شامل ہیں۔ اسلام ایک مذہب نہیں بلکہ دین ہے یعنی اسلام مساجد کی محدود تک نہیں بلکہ معاشرے کے مجموعی ڈھانچے پر محیط ہے۔ علامہ اقبال نے جا بجا اس اصول کو بیان کیا ہے اور یہ بھی کہ مغرب میں یہ دین و دنیا کے تفاوت کی وجہ سے کلیسائی نظام ناکام ہوا۔ رہبانیت نے مذہب کو ریاست سے الگ کر دیا۔ علمائے اسلام نے ریاستوں کے زوال کے اسباب پر تفصیل سے

نشاندہی کی ہے۔ امام غزالی، ابن تیمیہ، ابن خلدون سے لے کر شاہ ولی اللہ تک یہ بات سب نے کہی ہے کہ ٹیکسوں کی زیادتی اور ظلم، عدل و انصاف سے صرف نظر ریاستوں کے زوال کا بڑا سبب ہے۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ ظلم کی ایک بڑی قسم یہ ہے کہ عامۃ الناس کے مال و دولت پر ریاست مسلط ہو جائے۔ جس کو نیشنلائزیشن کہا جاتا ہے۔ یعنی لوگوں کی دولت کو معمولی قیمت پر کوڑیوں کے مول خرید کر سرکاری نگرانی کے نام پر چند افسران کے قبضے میں دے دینا یہ عوام کے ساتھ بڑا ظلم اور معاشی عدم مساوات کا بنیادی سرچشمہ ہے

## پاکستان کی ابتدائی صورت حال اور مستقبل کا لائحہ عمل

پاکستان میں زکوٰۃ کا نظام اجتماعی سطح پر غیر فعال ہے۔ یکم رمضان کو ہر سال بینک Saving اور PLS اکاؤنٹس سے زکوٰۃ کی کٹوتی کرتے ہیں۔ حکومت زکوٰۃ کا پیسہ مستحقین پر خرچ کرتی ہے یا نہیں۔ اس پر لوگوں کے شکوک و شبہات ہیں چنانچہ اکثریت شعبان کے مہینے میں اپنی رقوم بینکوں سے نکلوا لیتی ہے اور یکم رمضان کے بعد دوبارہ جمع کروا دیتی ہے۔ کچھ لوگ زکوٰۃ سے بچنے کے لئے اہل سنت ہونے کے باوجود اہل تشیع ہونے کا سرٹیفکیٹ بینکوں میں جمع کرواتے ہیں کہ ہماری فقہ میں زکوٰۃ کی یہ شکل نہیں جو مروجہ ہے۔ زکوٰۃ سے فرار کی کوشش میں لوگ کیا کیا حیلے بہانے تراشتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ اللہ کو بھی دھوکہ دینے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ زکوٰۃ کا نظام فعال نہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ حکومت پر عدم اعتماد ہے

پاکستان میں ایک محتاط اندازے کے مطابق آٹھ ملین لوگ نانِ جویں کو ترستے ہیں اور لوگ بھکاری بنتے جا رہے ہیں۔ آج ہر پاکستانی تین لاکھ اٹھارہ ہزار کا مقروض ہے۔ اور پاکستان پر بارہ ارب سے زائد کے قرضے ہیں جس میں صرف گذشتہ بیس ماہ میں اضافہ ہوا ہے۔ روپے کی قیمت میں دن بدن کمی کا رجحان ہے۔ حکومتی اعداد و شمار کے مطابق گذشتہ بیس ماہ میں روپے کی قیمت میں ۷ فیصد کمی ریکارڈ کی گئی ہے۔ عالمی منڈی میں تیل کی قیمت کم ترین سطح پر یعنی ۳۰ ڈالر فی بیرل ہو گئی ہے مگر ہمارے ہاں ابھی بھی پیٹرول کی قیمت بلند ترین سطح (263.45 روپے) پر ہے۔ دس ممالک میں بھکاری کی لسٹ نظر سے گذری تو معلوم ہوا امریکہ میں بھکاری کی تعداد سب سے کم ہے، پھر فرانس، جرمنی، انڈونیشیا، بنگلہ دیش وغیرہ اور پہلے نمبر پر پاکستان ہے۔ زکوٰۃ کا اجتماعی نظام نہ ہونے کی وجہ سے اسکی برکات اور ثمرات نظر نہیں آرہے

ایک اور سوچنا ہمارے ہاں مفت کھانا کھلانے والی تنظیمیں ہیں۔ ان کی نیت کا ثواب اپنی جگہ مگر مفت کھانا ملنے کی وجہ لوگ تساہل پسند اور بیکار ہوتے جا رہے ہیں۔ اسلام

بھوکے کو کھانا کھلانے اور ننگے کو ستر پوشی کی ترغیب اور اجر بیان کرتا ہے دوسری طرف اسلام ہاتھ پاؤں سلامت ہوں تو محنت کر کے روزی کمانے پر زور دیتا ہے۔ معدودے چند تنظیمیں بلا سود قرضے دے کر لوگوں کو اپنا کاروبار شروع کر کے روزی کمانے کا احسن کام بھی کر رہی ہیں۔ یعنی لوگ بھکاری اور نکمے نہیں بلکہ محنت کش اور ہنر مند لوگوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے اقدامات کی خدمت ہے۔ سیرت رسالت مآب سے ایک مثال ہی ہماری رہنمائی کے لیے کافی ہے۔ ایک شخص نے اپنی تنگدستی کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا تمہارے پاس کچھ ہے تو لے کر آؤ۔ آپ نے وہ چیز صحابہ کی مجلس میں اس کی بولی لگوائی اور حاصل شدہ رقم سے اس کو کلہاڑا خریدنے کو کہا اور پھر اپنے دست مبارک سے اس میں لکڑی کا دستہ لگایا اور کہا جنگل میں جا کر لکڑیاں کاٹ کر لاؤ اور شہر میں فروخت کر کے روزی کماؤ۔ یعنی اسلام بھیک منگے نہیں باوقار اور خود دار مسلمان چاہتا ہے

عصر حاضر میں مالیاتی نظام مختلف شکلوں اور اصطلاحوں سے سامنے آیا ہے۔ اس میں ہمارے رسم و رواج اور تہذیبی اقدار سے جڑاؤ ایک اہم نکتہ اتصال ہے۔ اسلام میں کوئی چیز نہ محض اس لیے اچھی یا بُری ہے کہ وہ قدیم ہے اور نہ محض اس لیے اچھی یا بُری ہے کہ وہ جدید ہے کسی چیز کی قدامت اور جدت اسلام میں پسندیدگی کا معیار نہیں ہے۔ اس لئے کہ

؎ زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری قصۂ جدید و قدیم

اسلام جدید و قدیم میں قبول اور نا قبول صرف نصوص قرآن و سنت کے میل یا ٹکراؤ کی بنیاد پر کرتا ہے۔ روحانی اقدار اور اخلاقی اعتبارات کے ساتھ ساتھ مادی وسائل کی دینی اہمیت ہے جس سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے مادی وسائل کا تحفظ بھی شریعت کے بنیادی مقاصد میں سے ہے۔ مسلمانوں کے لئے مالی اور معاشی آزادی کو فقہاء اسلام نے فرض کفایہ قرار دیا ہے یہ بات ابن تیمیہ، امام غزالی اور کئی دوسرے فقہاء نے بیان کی ہے

دین کے معاملات کو خصوصاً مالی معاملات کو دو طبقوں نے خراب کیا۔ ایک نا لائق حکمرانوں نے، دوسرا علماء سوء (بدکردار اور دنیا پرست علماء)۔ جب یہ دو طبقے مسلمانوں میں خراب ہوتے ہیں تو پورا معاشرہ خراب ہو جاتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے لکھا ہے کہ علماء سوء دین کے ڈاکو ہیں۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ علماء سوء کی صحبت سے ایسے بچو جیسے زہریلے سانپ کے قریب جانے سے بچتے ہو۔

اس لئے کہ کم از کم ایک طرف کی چیز نقد ہونی چاہیے اور اس کو موقع پر ادا ہونا چاہیے۔

## محرمات تجارت

قرآن و سنت تجارت کے ضمن میں جو اصول بیان فرماتے ہیں وہ معاشی زندگی کے ہر پہلو میں مد نظر رہنے چاہییں ورنہ کاروبار، لین دین جائز نہیں ہوگا۔ شریعت نے پندرہ چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ ان میں سے ایک چیز بھی اگر کسی کاروبار میں پائی جائے گی تو وہ کاروبار ناجائز ہوگا۔ ان محرمات کا مختصر بیان ملاحظہ کریں (تلخیص از محاضرات فقہ)

۱۔ ربا: ربا یعنی سود کو شریعت نے صاف اور کھلے الفاظ میں حرام قرار دیا ہے اور مسلمانوں کو سختی سے تمام سودی لین دین اور کاروبار سے باز رہنے کا حکم دیا ہے۔ اگر کوئی شخص حیلے بہانے اور بے جا عذر تراش کر اس کا حصہ بنتا ہے تو فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (سورۃ البقرہ آیت ۲۷۹) تو پھر اللہ اور رسول کی طرف سے اس کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ رسالت مآب نے سود کی حرمت بیان کرتے ہوئے بعض ایسے ارشادات فرمائے ہیں کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

۲۔ غرر: غرر کے لفظی معنی کسی کاروبار میں کسی ایک فریق کا کسی مفاد کا کسی ایسی صورت حال سے مشروط ہونا جو اس کے اختیار میں نہ ہو۔ گویا ایسی بے یقینی کی کیفیت جس سے کسی ایک فریق کا حق قطعی طور پر غیر حتمی اور مشکوک قرار پائے۔ مثال کے طور پر آپ ایک شخص سے پانچ ہزار روپیہ لیں کہ میں جنگل سے تمہارے لئے ہرن شکار کر کے لاؤں گا۔ یعنی ایک فریق نے پیسے لے لئے مگر دوسرے کا حق مبہم اور مشکوک ہے۔ ممکن ایک ہرن بھی شکار نہ ہو سکے۔ انشورنس کی بہت سی قسموں میں غرر ہوتا ہے۔ اس لئے وہ سب قسمیں ناجائز ہیں۔

۳۔ قمار: قمار سے مراد جوا ہے۔ کوئی ایسا کاروبار جس میں ایک آدمی کا نفع دوسرے آدمی کے نقصان کو مستلزم ہو، قمار کہلاتا ہے۔ مثلاً پانچ آدمیوں نے برابر برابر پیسے جمع کئے اور قرعہ اندازی یا جیت کے نتیجے میں ساری رقم ایک کو مل گئی اور چار آدمی محروم رہے اور ان کے پیسے ضائع ہو گئے شریعت میں قمار حرام ہے۔ انشورنس کی بعض شکلوں میں بھی قمار پایا جاتا ہے

۴۔ میسر: میسر بھی قمار ہی کی ایک شکل ہے اس میں کسی ایک فریق کا نقصان ہونا تو لازمی نہیں لیکن جو فائدہ کسی ایک شخص کو ہوتا ہے وہ کسی ایک فریق کو بغیر کسی حق اور استحقاق کے حاصل ہوتا ہے جبکہ اس میں سب نے یکساں حصہ لیا تھا۔ مثال کے طور پر بعض کمپنیاں یہ کرتی ہیں کہ آپ ہم سے گھی خریدیں اس میں ایک کارڈ نکلے گا اور اس پر ایک نمبر لکھا ہوگا اگر آپ کا نمبر نکل آیا تو گاڑی ملے گی یا نقد انعام ملے گا۔ یہ میسر ہے۔ یہ ناجائز ہے

۵۔ جہل: جہالت ناواقفیت بابت خرید و فروخت۔ کسی چیز کی ماہیت اور نوعیت سے بے علم ہونا بھی ناجائز ہے۔ ایک شخص آپ سے کہے مجھے ایک لاکھ روپے دے دیں میں آپ کو اپنی مرضی یہاں سے لئے کرسیاں بنوا کر دوں گا۔ یہ کاروبار درست نہیں ہوگا کیونکہ نہیں معلوم وہ کرسیاں کس طرح کی لا کر دے گا۔ لکڑی کی ہونگی یا پلاسٹک کی، بازو والی ہونگی یا بغیر بازو کی۔ وغیرہ وغیرہ۔ جب تک متعین طور پر پہلے ہی طے نہ کر لیا جائے کہ کس شکل، ڈیزائن، مواد کی ہونگی۔ ان کی خرید و فروخت جائز نہیں اور یہ جہل ہے

۶۔ غبن فاحش: عربی اصطلاح میں غبن کے معنی دھوکہ دہی کے آتے ہیں لیکن اصطلاحی مفہوم اعتبار کو سے ہر دھوکہ کو غبن نہیں کہتے۔ یہ اردو والا غبن نہیں ہے۔ فقہ کی اصطلاح میں غبنِ فاحش سے مراد ہے کسی خریدار کی ناواقفیت یا پریشانی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی کاروبار یا کسی چیز کا اتنا منافع لینا جو بازار کی مناسبت سے زیادہ ہو۔ اسکو غبن فاحش کہتے ہیں اور یہ جائز نہیں ہے

۷۔ ضرر: کوئی بھی ایسا کاروبار یا تجارت جس میں کسی کو ایسا نقصان پہنچا ہو جو معمول کے حالات میں نہیں پہنچتا، وہ ضرر کہلاتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ "لا ضرر و لا ضرار" نہ نقصان اٹھاؤ نہ جوابی نقصان پہنچاؤ۔ بالفاظِ دیگر ضرر سے مراد وہ نقصان ہے جو کوئی شخص کسی ایسے عمل کے نتیجے میں اٹھانے پر مجبور ہو جس کو اٹھانے کا وہ پابند نہیں ہے۔ نہ جس کو اٹھانے میں اس پر کوئی ذمہ داری ہے، نہ اس کی کسی کوتاہی کو عمل دخل ہے۔ وہ ضرر ہے

۸۔ باہم ٹکراؤ والے کاروبار: رسالت مآب ﷺ نے دو باہم متعارض کاروباروں کو یکجا کرنا منع فرمایا ہے۔ حدیث کا مفہوم ہے "دو الگ الگ اور مختلف کاروباروں کو اس طرح آپس میں ملا دیا جائے کہ دونوں کے معاملات ایک دوسرے کے تابع ہو جائیں۔ ایک دوسرے پر موقوف ہو جائیں۔ یہ جائز نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ایک عام خرید و فروخت ہے یہ جائز ہے لیکن اگر میں یہ کہوں کہ یہ قلم آپ مجھے ایک لاکھ روپے میں فروخت کر دیں اور اس کے بدلے میں میں آپ کو ایک ہزار روپیہ قرض دے دوں گا۔ یہ جائز نہیں ہوگا۔ البتہ اگر دو الگ الگ کاروبار ہوں جو ایک دوسرے پر انحصار نہ کرتے ہوں تو آپ دونوں کریں۔ یہ ٹھیک ہے۔

۹ بیع معدوم: حدیث پاک میں ارشاد ہے "جو چیز تمہارے پاس نہیں ہے وہ فروخت مت کرو" (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع جلد ۵ صفحہ ۱۴۷)۔ لہذا جو چیز آپ کی ملکیت اور قبضے میں نہیں ہے اس کی فروخت جائز نہیں ہے (Future Sales)

اس میں سارا کاروبار قرض کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ نہ خریدنے والے کو خریدی ہوئی چیز کا قبضہ ملتا ہے اور نہ بیچنے والے کے قبضے میں وہ چیز ہوتی ہے۔ محض کاغذی اور فرضی کارروائیوں کی بنیاد پر ہوتے ہوتے ایسے کاروبار کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ہیں۔ یہ بھی سٹہ اور قمار کا راستہ کھولتا ہے لہٰذا شریعت نے ایسے کاروبار کی ممانعت کی ہے اور کہا ہے کہ جو چیز تمہاری ملکیت میں نہیں اس کی فروخت بھی جائز نہیں ہے

۱۵۔ تغریر: دھوکہ کے لئے فقہا نے تغریر کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ خریدار کے سامنے مال کی ایسی صفات بیان کی جائیں جو اس میں موجود نہ ہوں۔ مثال کے طور پر بائع اگر یہ دعویٰ کرے کہ اس کے مال یا چیز کی مالیت اتنی ہے اور وہ چیز درحقیقت اتنی مالیت کی نہ ہو تو یہ بھی تغریر ہے

۱۱۔ غیر کی ملک میں تصرف: دوسرے کی ملک میں تصرف سے منع کیا گیا ہے۔ آپ جس چیز کا کاروبار کر سکتے ہیں یا جس کی خرید و فروخت کا آپ کو اختیار ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ بیچنے والے کی ملکیت میں ہو۔ شریعت کا اصول ہے کہ جس چیز کا ممکنہ نقصان آپ کے ذمہ نہ ہو اس کا نفع وصول کرنا آپ کے لئے جائز نہیں۔ سنن نسائی میں مذکور حدیث پاک کا مفہوم ہے آپ نے اس چیز کا نفع لینے سے منع فرمایا ہے جس کا رسک آپ کے ذمہ نہ ہو (جلد ۷ حدیث ۴۶۳۱)

۱۲۔ احتکار (ذخیرہ اندوزی)

احتکار سے مراد اشیائے ضرورت کی فروخت میں اس انداز سے رکاوٹ ڈالنا کہ لوگ بازار کی عام قیمت کے مقابلہ میں زیادہ قیمت دینے پر مجبور ہو جائیں۔ شریعت میں احتکار کی ممانعت کی گئی ہے اور حکومت وقت کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ احتکار میں ملوث تاجروں کو اس حرکت سے باز رکھے۔ خاص طور پر ضروریات خورد و نوش کی ذخیرہ اندوزی زیادہ بڑا جرم ہے۔ اس کی روک تھام کی ذمہ داری حکومت کی ہے۔ اس کے برعکس عام اشیاء کی ذخیرہ اندوزی بھی منع ہے بشرطیکہ اس کے نتیجہ میں عامۃ الناس کو تکلیف اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو۔

۱۳۔ تدلیس (Misrepresentation)

کسی چیز کے عیب چھپانے کو تدلیس کہتے ہیں۔ یہ جو اخباروں میں آتا ہے مال برائے فروخت یا نیلامی جیسا ہے اور جہاں ہے کی بنیاد پر، یہ بھی تدلیس میں آتا ہے۔ اسی طرح مشتری ہوشیار باش کا اصول بھی شرعاً جائز نہیں۔ مثال کے طور پر یہ کہنا کہ آپ یہ کار خرید لیں، اس کی قیمت تیس لاکھ ہے۔ جہاں تک اس میں کسی عیب یا نقص کا تعلق ہے تو وہ آپ

کار خریدتے وقت خود دیکھ لیں۔ اگر بعد میں عیب نکلا تو ہم ذمہ دار نہیں۔ یہ بھی شرعاً جائز نہیں۔ اگر عیب یا نقص آپ کے علم میں ہے تو بتانا ضروری ہے اور اگر کل کوئی عیب نکل آئے تو آپ کو واپس لینے میں تامل نہیں ہونا چاہیے

## ۱۴۔ خلابہ

خلابہ ایسے کاروباری حربوں کو کہتے ہیں جن کے ذریعے آدمی چاپلوسی یا چرب زبانی کے ذریعے دوسرے کو متاثر کر دے۔ بعض اوقات لوگ اتنے تیز طرار اور چرب زبان ہوتے ہیں کہ سیدھے سادے آدمی کو متاثر کر دیتے ہیں۔ اس کو خلابہ کہتے ہیں۔ ایک حدیث سے اس کی مزید وضاحت ملتی ہے
ایک صحابی نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں سیدھا سادا آدمی ہوں۔ بازار جاتا ہوں تو دکانداروں کی چکنی چپڑی باتوں سے متاثر ہو کر چیز خریدتا ہوں اور گھر آکر پتہ چلتا ہے کہ میرے ساتھ دھوکہ ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب آئندہ تم کوئی خرید و فروخت کرو تو کہا کرو "میں کسی دھوکے سے متاثر نہیں ہوں گا اور مجھے اس معاملہ میں تین دن تک فیصلہ کا اختیار ہوگا اگر میں چاہوں تو تین دن کے اندر اس کو واپس کر سکتا ہوں"۔ اسی سے وہ اصول نکلا جس کو فقہا "خیار" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

## ۱۵۔ خیارات

خیار کا اصول سب سے پہلے اسلامی شریعت نے متعارف کروایا۔ خیار کو انگریزی زبان میں Options کہا جا سکتا ہے۔ ہر شخص کو احکام فقہ میں بیان کردہ تفصیلی شرائط کے ساتھ آپشنز رکھنے کا اختیار ہے جن میں خیار شرط ہے۔ خیار کی بہت سی اقسام ہیں۔
ایک خیار عیب ہے۔ اس سے مراد خریداری کے وقت سودے میں کوئی عیب دریافت ہوا تو خریدار کو اختیار ہے کہ چاہے تو چیز اپنے پاس رکھے یا سودا منسوخ کر دے
ایک خیار مجلس ہوتا ہے کہ کسی مجلس میں ایک معاملہ ہوا تو اس وقت آپ اس پر نظر ثانی کر سکتے ہیں جب تک مجلس برخاست نہیں ہوتی
ایک خیار تعیین ہوتا ہے کہ کسی اسٹور میں ایک جیسی تین گاڑیاں کھڑی تھیں۔ آپ نے ایک خرید لی اور قیمت ادا کر دی۔ اب ان میں سے کون سی آپ لینا چاہیں گے یہ آپ کا اختیار ہے۔ بیچنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ یہ گاڑی لیں اور وہ نہ لیں۔
ایک خیار نقد ہے کہ آپ نے ایک ایسے علاقے میں کوئی چیز خریدی جہاں ایک سے زائد سکے چلتے ہیں مثلاً بعض ممالک میں ڈالر بھی چلتا ہے اور مقامی سکہ بھی چلتا ہے تو وہاں فریقین کو سکہ طے کرنے کا اختیار ہے۔

## ربا اور دیگر غیر اسلامی تجارت کی شکلیں اور فقہائے اسلام کی آرا کا خلاصہ

ربا مختلف ناموں سے ہماری معاشی اور تجارتی سرگرمیوں میں سرایت کر چکا ہے۔ تجارت میں بھی یہود و ہنود کی سرمایہ پرستانہ سوچ اور طرزِ عمل در آیا ہے۔ ذیل میں ہم اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

- بنک سے ملنے والا منافع موجودہ حالات میں ربا کے قریب ہے کیونکہ بنک جو آگے روپیہ دے رہا ہے وہ نفع نقصان پر نہیں دیتا بلکہ متعین اور گارنٹی شدہ نفع پر دیتا ہے اگر بنک وہ رقم نفع نقصان کی شراکت پر دے رہا ہے تو ٹھیک۔ جو بنک آگے بھی غیر سود کے پیسے دیتے ہیں ان میں سرمایہ لگایا جا سکتا ہے۔ لہذا جو اسلامی بنک کاری ہے جو کچھ کمرشل بنکوں نے شروع کر رکھی ہے وہ جائز ہے

- ربا سے بچنے کے لئے اپنا پیسہ کرنٹ اکاؤنٹ میں رکھنا چاہیے۔ سیف ڈیپازٹ کرائے پر لے کر اس میں رکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اگر یہ بھی ممکن نہیں تو اسلامی بنکوں کی شاخیں ہر جگہ کھل رہی ہیں۔ وہاں روپیہ رکھیں

- پیسے کو قومی بچت اسکیموں میں رکھنا بھی ربا کی ایک شکل ہے اور ناجائز ہے

- ڈیفنس سرٹیفکیٹ خریدنا ناجائز ہیں کیونکہ اسمیں متعین منافع پہلے ہی بتا دیا جاتا ہے

- پرائز بانڈ خریدنا قمار بھی ہے، ربا بھی اور میسر تو لازماً ہے (قمار، ربا، میسر کی تفصیل گزشتہ صفحات پر)

- بنک یا مختلف کمپنیوں کے حصص خریدنے میں اگر یہ شرطیں پوری ہوتی ہیں تو جائز ہے

پہلی شرط کہ جس کمپنی کے حصص خریدے جا رہے ہیں وہ جائز کاروبار کر رہی ہو

دوسری شرط کہ جس کمپنی کے حصص خریدے جا رہے ہیں اس کے پاس طبعی وجود میں چیزیں (Tangible Physical Assets) موجود ہوں

تیسری شرط کہ حصص کی آئندہ سیل نہ کی جائے

اگر یہ شرائط پوری نہیں ہوتیں تو ناجائز ہے

- ہاؤسنگ اسکیموں کے فارم پیشگی فروخت کرنے شروع کر دیتے ہیں۔ اس ضمن میں اگر ہاؤسنگ اسکیم کسی قطعہ اراضی پر سڑکیں، بجلی، پانی وغیرہ پر کام ہو رہا ہو تو آپ کے نام کوئی متعین پلاٹ الاٹ ہو گیا ہو اور آپ کو اس کے کاغذات مل گئے ہوں تو وہ فروخت کیا جا سکتا ہے۔ یہ آپ کی ملکیت کے مترادف ہے

- بہت سی ملٹی نیشنل کمپنیاں مسلمان مخالف مذاہب کے پیروکاروں کی ہیں۔ مثلاً بہت سی

کمپنیاں یہودیوں کی ہیں جنہوں نے غزہ میں مسلمانوں کا قتلِ عام شروع کیا ہوا ہے۔ ایسی کمپنیوں کی مصنوعات کا بائیکاٹ کرنا ضروری ہے۔ ان کی بجائے مسلمانوں کی اپنی کمپنیوں کو پروان چڑھانے میں ممد و معاون بننا چاہیے اور باہمی تجارت میں حصہ لے کر یہود و ہنود کی مصنوعات اسلامی ممالک میں کم سے کم درآمد کرنی چاہییں۔

- حضورؐ نے مدینہ میں مسلمانوں کے لیے الگ بازار بنایا تھا کیونکہ یہودی اپنے بازار میں مسلمان تاجروں کو پنپنے نہیں دیتے تھے۔ آج کی بین الاقوامی مارکیٹ میں بھی یہی حال ہے۔ مسلم ممالک کو اپنی بین الاقوامی سطح پر الگ مارکیٹ بنانی چاہیے تاکہ ربا سے پاک تجارت کا ایک ماڈل بنایا جا سکے اور وہ خواب جو علامہ اقبال نے دیکھا تھا کہ مسلم کی رگ جاں پنجہ یہود سے آزاد ہو سکے گی، کی حقیقت عملی شکل میں نظر آئے۔

- اسلامی معاشی نظام کے سلسلہ میں لوگوں میں غلط فہمی ہے کہ جو احکام قرآن و حدیث میں دیئے گئے ہیں وہ جمع نہیں کئے گئے لہٰذا ان کا نفاذ از کار رفتہ محسوس ہوتا ہے۔ یہ حقیقت سمجھ لینی چاہیے کہ یہ احکام بارہا جمع کئے گئے ہیں۔ لوگوں نے تحقیقات کر کے کتب خانے تیار کر دیئے ہیں۔ معاشی قوانین بھی مرتب کئے جا چکے ہیں۔ یہ تو محض بہانہ ہے، اصل معاملہ یہ ہے کہ جو نہ کرنا چاہے اس کے لئے کچھ بھی تیار نہیں اور جو کرنا چاہیں ان کے لئے سب کچھ تیار ہے۔

- اسلامی بینک کاری پر بہت سی دستاویزات تیار ہو چکی ہیں۔ دنیا میں تقریباً چار سو اسلامی بینک کام کر رہے ہیں۔ پاکستان میں بھی اسلامی بینک موجود ہیں جو اسلامی اصولوں کے مطابق کام کر رہے ہیں۔ اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے فنانسنگ کے تمام بنیادی عناصر ترکیبی واضح کر دیئے ہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات، مسلم ورلڈ لیگ، ورلڈ اسلامک بینک اور بیسیوں ادارے اس ضمن میں ٹھوس اقدامات کر رہے ہیں۔

- اسلامی معیشت میں منافع خوری کے متعلق فقہاء نے وضاحت کی ہے کہ تجارت کرنے کا مقصد ہی منافع کمانا ہوتا ہے۔ ہر دکاندار نفع کے لئے ہی دکانداری پر وقت اور سرمایہ لگاتا ہے۔ اگر کمایا جانے والا نفع جائز حدود میں ہو، بازار میں رائج نفع کی سطح کے مطابق ہو۔ اس میں دھوکہ اور ظلم نہ ہو۔ کسی کا استحصال نہ ہو تو یہ جائز ہے۔ اسکو اردو میں منافع خوری نہیں کہتے۔ منافع خوری بازار کی سطح سے زیادہ قیمت وصول کر کے ناجائز نفع کمانے کو کہتے ہیں۔ یا ذخیرہ اندوزی کر کے زبردستی زیادہ نفع حاصل کرنے کو منافع خوری کہتے ہیں۔

- آج کل کا استحصال پر مبنی معاشی نظام غریب کو غریب تر اور امیر کو امیر تر بنا رہا ہے۔ اسکی

## خلاصہ مضمون (علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی)

امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ اس امت کے موجودہ دکھوں اور مسائل کا علاج وہی ہے جو قرونِ اولیٰ کے مسائل کا تھا۔ قرآن و حدیث سے رہنمائی لے کر خدا کی زمین پر خدا کے احکام کا نفاذ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں دینِ مبین کا مقصود و محور ہے۔

گر تو می خواہی مسلماں زیستن　　نیست ممکن جز بقرآں زیستن

اسلام نے زکوٰۃ اور صدقات کی ادائیگی کا حکم دیا۔ بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ اب اس میں ردوکد چہ معنی دارد۔ کوئی تاویلات، کوئی راہِ فرار اختیار کرنا، فقہی اجتہاد کی آڑ میں زکوٰۃ سے بچنے کی سبیل تلاش کرنا، سود کی Manifestation یعنی مختلف شکلوں اور اصطلاحوں سے پیسہ کمانا اور بچانا سے مراد یہ ہے کہ ہم مسلمان تو ہیں مگر دین ابھی ہمارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ اسلام کا معاشی نظام سرمایہ دارانہ ہے نہ اشتراکیت پر مبنی ہے اسلام میں ملکیتِ اعلیٰ اللہ کی ہے۔ مال کا حقیقی مالک اللہ کی ذات بابرکات ہے۔ انسان اس مال کا امین ہے۔ امانت دار کو شایاں نہیں کہ وہ مالکِ حقیقی کی منشا کے خلاف اسکو استعمال اور خرچ کرے۔ اللہ ہمارے دلوں کے بھیدوں کو خوب خوب جانتا ہے وہ ہمارے دماغوں میں اٹھنے والے خیالات سے بھی واقف ہے۔ اسکو خوب پتہ ہے کہ زکوٰۃ ہم دیتے ہیں یا نہیں۔ اگر دیتے ہیں تو دل کی خوشی سے یا طوعاً و کرھاً۔ صدقات سخی کہلانے کے لئے ریاکاری سے دیتے ہیں یا اپنے خلوص اور للٰہیت کے ساتھ کہ دائیں ہاتھ سے دیتے اور بائیں ہاتھ کو خبر نہیں ہونے دیتے۔ کیا ہم اُن لوگوں میں شامل نہیں جنھوں نے اپنی جانوں، مال اور اولاد کا سودا اللہ سے کیا ہوا ہے۔ کیا مال، اولاد، بیویوں، باغات، عالی شان مکانات اور عالی نسل گھوڑوں کی محبت ہمیں اللہ اور رسول کی محبت سے زیادہ ہے؟ اگر یہ دنیاوی محبتیں اللہ اور رسول کی محبت پر غالب ہیں تو پھر اللہ فرماتا ہے کہ انتظار کرو (فتربصوا) کہ کب ہمارا عذاب تمہیں دبوچتا ہے۔ اسلام جائز حد تک مال و اولاد کی محبت کی اجازت دیتا ہے یعنی وہاں تک محبت جائز اور درکار ہے جہاں تک وہ اسلام کی نصوص سے نہ ٹکرائے۔ کشتی دریا کے اوپر چلے تو سفر بخیر اور اگر پانی کشتی کے اندر آگیا تو غرقابی یقینی۔ بقول علامہ اقبال

یہ مال و دولتِ دنیا، یہ رشتہ و پیوند　　بتانِ وہم و گماں لا الٰہ الا اللہ

ہم سب جانتے ہیں کہ کفن میں جیب نہیں ہوتی اور بندہ خالی ہاتھ اس جہان میں آتا ہے اور یہی اسکا کھیل ہے خالی ہاتھ واپس جاتا ہے۔ اس کے باوجود مال کی ہوس اور سونے چاندی کے ڈھیر جمع کرنے کی تگ و دو میں سرگرداں و غلطاں قبر کا منہ جا دیکھتا ہے۔ جس مال سے زکوٰۃ

ادا نہیں کی گئی وہ گنجے سانپ کی طرح ڈسنے کو تیار بیٹھا ہے۔ اسی مال (سونے چاندی) کو پگھلا کر ماتھے، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا وعید بھی ہمیں لرزہ براندام نہیں کرتی۔ انفرادی طور پر ہمیں کوئی مجبوری نہیں کہ ہم سودی بنکوں میں پیسے رکھیں جب کرنٹ اکاؤنٹ کی آپشن موجود ہے۔ اسلامی بنک موجود ہیں۔ مشارکہ، مضاربہ، مزارعہ کا ذریعہ حلال تجارت اور جائز نفع کمایا جا سکتا ہے۔ ہمیں کوئی مجبوری نہیں کہ انعامی بانڈ خریدیں، بچت اسکیموں میں پیسہ رکھیں، جوا کھیلیں، سود پر قرض دیں، احتکار کریں، ملاوٹ کریں، جھوٹ بولیں، دھوکہ اور فراڈ سے مال بیچیں علی ھذا القیاس۔ یہ سب تو ہمارے نفس کے کرتوت ہیں۔ اجتماعی طور پر حکومتیں تا حال تحریم سود میں ملوث ہیں۔ علماء و فقہاء نے متبادل آپشنز دیئے ہیں مگر حکومتیں IMF، ورلڈ بنک اور دوسرے مالیاتی اداروں کے سودی چنگل میں پھنسی آ رہی ہیں۔ ایسی حکومتیں جو اللہ اور رسول سے حالت جنگ میں ہوں وہ زعم میں (اللہ کی مدد اور رحمت کی) امید وار ہے۔ قائد اعظم نے اپنی اگست 1948ء کی تقریر میں پاکستان کو اسلام کی تجربہ گاہ قرار دیا۔ اُن کے ذہن میں اسلام کا جو خاکہ تھا اس کے مطابق اُن سے جب پوچھا کہ نوزائیدہ مملکت کا آئین کب مرتب ہوگا تو اُنہوں نے فرمایا کہ ہمارا آئین تو چودہ سو سال پہلے کا بنا ہوا ہے۔ ہمیں نیا آئین بنانے کی ضرورت نہیں جس سے پاکستان میں اسی قانون کو نافذ کرنا ہے۔ 1980ء میں اسلامی نظریاتی کونسل جو ایک متفق علیہ بورڈ ہے حکومت کو بعنوان (اسلامی بنک کاری کا ڈھانچہ اور معاشی نظام سے سود کو کیسے اور کن مراحل میں ختم کیا جائے۔ یہ دستاویز سبھی فقہی مسالک کے فقہا اور ماہرین بنکاری، پروفیسرز علمائے شریعت کی مشترکہ کاوشوں سے مرتب کی گئی۔ اس کا عربی، ملائی، بنگلہ اور اُردو میں ترجمہ بھی کیا گیا۔ 1980ء سے آج 2020ء تک اس غیر سودی بنک کاری نظام پر کچھ پیش رفت ضرور ہوئی مگر حکومتی سطح پر سنجیدہ کاوش قابل ذکر نہیں۔ جماعت اسلامی، تنظیم اسلامی، جمعیت علمائے اسلام، جمعیت علمائے پاکستان، فقہ جعفریہ کی نمائندہ تنظیمیں، PRIZE وغیرہ وغیرہ نے ملکی سطح پر ربا فری تجارت اور بنک کاری کے حوالے سے قابل قدر کوششیں کی اور کر رہی ہیں۔ ایک اور ادارہ جو Accounting and Auditing for Islamic Financial Institutions کہلاتا ہے (آیوفی) نے بھی گزشتہ 20، 25 سال میں مسلسل کام کر کے ISO 9000 کے مطابق کی اسلامی اکاؤنٹنگ کی دستاویزات تیار کی ہیں۔ الغرض سود سے پاک معیشت اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ مدون و مرتب ہے اور بقول ڈاکٹر محمود احمد غازی اگر تاجر آج فیصلہ کر لیں کہ ہم سودی لین دین نہیں کریں گے تو یہ نظام ایک منٹ میں نافذ ہو سکتا ہے اگر نفس امارہ غالب ہے تو یہ کبھی بھی نافذ نہیں ہو سکتا

کی اصلاح کے لئے اسلام نے اپنا معاشی نظام دیا ہے۔ حضورؐ کے زمانے میں بھی یہودی تجارت پر قابض تھے اور یہودیوں نے سود کے ذریعے معاشی نظام کو اپنے قابو میں رکھا ہوا تھا آج بھی دنیا کا مالیاتی نظام اور معاشی سرگرمیاں یہودیوں کے کنٹرول میں ہیں۔ آج بھی سود ان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ جو اصلاحات حضورؐ نے اس وقت فرمائی تھی آج دوبارہ نافذ ہونی چاہییں

؎ وہی جام گردش میں لا ساقیا    شراب کہن پھر پلا ساقیا

سود کو تدریج تین مراحل میں حرام قرار دیا گیا تھا پہلے مرحلہ میں سابقہ واجب الادا دعاوی ادا کئے اور وصول بھی کئے جاتے تھے لیکن رسالت مآبؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر یہ اعلان فرمایا تھا کہ آج سے تمام سابقہ سودی لین دین کالعدم ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کے سود کو کالعدم قرار دیتا ہوں۔ سود کو ایک دم سے اس لئے حرام قرار نہیں دیا گیا کہ لوگوں کے مالی معاملات میں کئی پیچیدگیاں ہوتی ہیں۔ کئی کئی سالوں کے معاہدے چل رہے ہوتے ہیں۔ اگر اسکو بیک جنبش قلم منع کر دیا جائے تو بہت سارے مسائل پیدا ہونگے اور لوگوں کے لئے مشکلات کا سبب بنیں گے اور بہت سے لوگوں کے لئے معاشی نقصان کا برداشت کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ جیسے ہمارے ہاں محاورا ہے جھگڑی جائے دمڑی نہ جائے۔

راقم کو اعتراف ہے کہ ابھی بہت سے پہلو وضاحت طلب اور محتاجِ بیان ہیں مگر مضمون کی طوالت کے پیشِ نظر اسی پہ اکتفا کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔

موجودہ حکومت نے سود سے پاک معیشت کا وعدہ 2027ء دسمبر تک کیا ہے۔ ہم اچھی امید اور حسن ظن رکھتے ہیں کہ حکمران اللہ اور رسول ﷺ سے لڑائی کرنے سے جتنی جلدی ممکن ہو باز آ جائیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے ملک کے وجود پر تو اسلام کا نفاذ کر لیں کہ کل اللہ کے حضور سرخرو ہو سکیں۔ معاشرے میں اپنے وسائل کے مطابق آگاہی اور شعور پیدا کرنے والے قافلے میں شامل ہو جائیں۔ جیسے PRIZE کا پلیٹ فارم ہمیں میسر ہے تو اپنے تئیں جو حصہ بولنے یا لکھنے سکھانے، یعنی دامے درمے قدمے سخنے اس میں دل و جان سے لگ جائیں۔

ضمیرِ لالہ میں روشن چراغِ آرزو کر دے
چمن کے ذرے ذرے کو شہیدِ جستجو کر دے

منظوم حدیث نکتہ وراں

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

شبِ ہجراں کے اندھیروں میں شعاعِ امید
صورتِ مطلعِ انوارِ سحر باقی ہے

قافلے والو! میں منزل سے بھٹک سکتا نہیں
اک آوازِ جرس ہے جو میرے دھیان میں ہے

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستاں کا وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

گو کہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اذاں، لا الٰہ الا اللہ

بے خبر تو جوہرِ آئینۂ ایام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

## ماخذات :


| | | |
|---|---|---|
| تیسیر القرآن | مولانا عبدالرحمن کیلانی | مکتبہ السلام، لاہور |
| تفہیم القرآن | سید ابوالاعلیٰ مودودی | ادارہ ترجمان القرآن، لاہور |
| تدبر القرآن | مولانا امین احسن اصلاحی | فاران فاؤنڈیشن، لاہور |
| کنز الایمان | امام احمد رضا خان بریلوی | شبیر برادرز، لاہور |
| ضیاء القرآن | پیر کرم شاہ الازہری | |
| سیرت سرور عالم | سید ابوالاعلیٰ مودودی | ادارہ ترجمان القرآن، لاہور |
| محسن انسانیت | نعیم صدیقی | |
| صحیح بخاری، صحیح مسلم، طحاوی شریف (اردو شرح) | | |
| محاضرات سیرت، محاضرات شریعت، محاضرات فقہ | ڈاکٹر محمود احمد غازی | الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور |
| تزکیہ نفس | مولانا امین احسن اصلاحی | ملک سنز پبلشرز، کارخانہ بازار فیصل آباد |
| دینِ اسلام | چوہدری افضل حق | قومی کتب خانہ، لاہور |
| مقالات سیرت | ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی | مکتبہ اسلامیہ، لاہور |
| اقبال، بحیثیت شاعر | پروفیسر رفیع الدین ہاشمی | مجلس ترقی ادب، لاہور |
| علم الاقتصاد | علامہ محمد اقبال | |

## ضمیمہ

# جدول برائے نصاب زکوٰۃ اور مقدار زکوٰۃ

| قسم مال | حول (عرصہ ملکیت) | نصاب | زکوٰۃ کی مقدار |
| --- | --- | --- | --- |
| - نقدی (سونا، چاندی یا جو اس کے مساوی ہو جیسے روپے پیسے) | ایک سال گزرنا ضروری شرط | ۸۵ گرام سونا یا ۵۹۵ گرام چاندی | ایک چوتھائی (چالیسواں حصہ یعنی اڑھائی فیصد) |
| - زمینی پیداوار | سال گزرنا شرط نہیں | ۳۰۰ صاع | (ا) جو فصل قدرتی ذرائع آب جیسے بارش، چشمہ سے سیراب کی گئی ہو اس میں دسواں حصہ (دس فیصد) (ب) جس فصل کو مصنوعی ذرائع جیسے کنواں ٹیوب ویل یا پمپ وغیرہ سے سیراب کیا گیا ہو۔ اس میں بیسواں حصہ (پانچ فیصد) (ج) جو فصل دونوں طریقوں سے سیراب کی گئی ہو۔ اس میں خرچ زکوٰۃ تین چوتھائی (۷.۵ فیصد) |
| - تجارتی سامان جو خرید و فروخت کے لئے تیار کیا گیا ہو یا جمع کیا گیا یا رکھا گیا ہو | سال گزرنا شرط ہے | اس کی قیمت سونا یا چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے | ایک چوتھائی (چالیسواں حصہ یعنی اڑھائی فیصد) |

- چرنے والے چوپایوں کا نصاب و مقدار ~~نصاب زکوٰۃ~~

- بھیڑ اور بکری کا نصاب

| نصاب | مقدار |
| --- | --- |
| ۴۰ سے ۱۲۰ | ایک بکری |
| ۱۲۱ سے ۲۰۰ | 2 عدد بکری |
| ۲۰۱ سے ۳۰۰ | 3 عدد بکریاں |

مندرجہ ذیل جانوروں کی اقسام زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوں گی

- بکریوں کے ریوڑ کا نر بکرا جو جفتی اور افزائش نسل کے لئے مخصوص ہو
- بوڑھا اور عمر رسیدہ جس کے دانت گر چکے ہوں
- عیب دار جانور
- انتہا درجے کا لاچار اور گھٹیا جانور

- گائے اور بھینس

| نصاب | مقدار | |
| --- | --- | --- |
| ۳۰ سے ۳۹ | ۱ عدد گائے کا ایک سال کا بچہ/بچی | پھر ہر ۳۰ گائے یا بھینس میں ایک بچھی جس کی عمر ایک سال |
| ۴۰ سے ۵۹ | گائے کی مادہ بچھی جس کا دو سال مکمل ہو چکا ہو (۱ عدد) | اور ہر ۴۰ گائے یا بھینس میں ایک بچھی بچھڑا دو سال |

| | |
|---|---|
| ۶۰ سے ۶۹ | دو عدد گائے کا نر یا مادہ بچہ جس کا ایک سال مکمل ہو چکا ہو |

- **اونٹ** (ایک یا دو کوہان والے)

| | |
|---|---|
| ۵ سے ۹ | ایک عدد بکری |
| ۱۰ سے ۱۴ | دو عدد بکریاں |
| ۱۵ سے ۱۹ | تین عدد بکریاں |
| ۲۰ سے ۲۴ | چار عدد بکریاں |
| ۲۵ سے ۳۵ | ایک مادہ اونٹنی جس کی عمر ایک سال ہو چکی ہو |
| ۳۶ سے ۴۵ | ایک مادہ اونٹنی جس کی عمر دو سال ہو چکی ہو |
| ۴۶ سے ۶۰ | ایک مادہ اونٹنی عمر تین سال جو حمل کے قابل ہو چکی ہو |
| ۶۱ سے ۷۵ | ایک مادہ اونٹنی جس کا چار سال مکمل ہو چکا ہو |
| ۷۶ سے ۹۰ | دو عدد مادہ اونٹنی بعمر دو سال |
| ۹۱ سے ۱۲۰ | دو عدد مادہ اونٹنی بعمر تین سال |
| ۱۲۱ سے ۱۲۹ | تین عدد مادہ اونٹنی بعمر دو سال |

- وہ جانور بھی زکوۃ سے مستثنیٰ ہوگا جو انتہائی دبلا پتلا ہو یا جو حمل سے ہو یا جو موٹا تازہ ہو یا جو سب سے عمدہ ہو

اگر ۱۳۰ یا اس سے زیادہ ہو تو ہر چالیس اونٹ پر ایک دو سال کی مادہ اونٹنی اور ہر پچاس اونٹ پر ایک مادہ اونٹنی بعمر تین سال

استفادہ: شرح متن الدروس المہمہ لعامۃ الامۃ ناشر معہد السنۃ سعودی عرب